WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف سورۃ النجم

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام النجم ہے جو اس کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں تین رکوع باسٹھ آیتیں، ۳۶۰ کلمے اور ۱۴۰۵ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: حضرات حسن بصری، عکرمہ، عطاء، جابر اور دیگر علماء کے نزدیک یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مدنی ہونے کا قول محض غلط ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے: ھی اول سورۃ اعلنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ۔ یعنی یہ پہلی سورۃ ہے جس کو حضورؐ نے مکہ مکرمہ میں علانیہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ جب آخری آیت کی تلاوت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ ریز ہوئے تو سامعین پر محویت کا ایسا عالم طاری تھا کہ مومن اور مشرک سب کے سب سجدے میں گر گئے۔ ان لوگوں میں وہ کافر بھی تھے جو قرآن سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے، لیکن جب حضورؐ نے حرم شریف میں اس کی تلاوت شروع کی تو اس کے اسلوبِ بلیغ نے ان کو یوں وارفتہ کر دیا کہ مخالفت کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور وہ اس کو سننے میں محو ہو گئے۔

سورۃ والنجم کے سال نزول کے بارے میں بعض مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ یہ سورت نبوت کے پانچویں سال ماہِ رمضان میں نازل ہوئی اس کی دلیل انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ یہ سورت جب نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں مجمع عام میں اس کی تلاوت فرمائی اور جب اس کی آخری آیت تلاوت کی فاسجدوا للہ واعبدوا الآیہ حضورؐ نے بھی سجدہ کیا اور اس محفل میں مسلمان اور کافر جتنے حاضرین تھے سب سربسجود ہو گئے۔ اس سے یہ بات عام ہو گئی کہ تمام اہلِ مکہ مشرف باسلام ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ افواہ حبشہ میں ہجرت کر کے جانے والے مسلمانوں تک بھی جا پہنچی جو ماہِ رجب میں ہجرت کر کے وہاں پہنچے تھے، ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو حبشہ میں ہی سکونت پذیر رہے لیکن بعض نے فیصلہ کیا کہ جب اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے ہیں تو ظلم و ستم کا وہ دور ختم ہو گیا ہوگا، اس لیے جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے کے بجائے ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں چنانچہ وہ ماہِ شوال میں مکہ پہنچے لیکن یہاں وہی کفر و شرک کی ظلمت چھائی ہوئی تھی اور مسلمانوں پر حسبِ سابق ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اب ان لوگوں کے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ مشرکین میں سے کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوں یا اس طرح چوری چھپے اپنے شہر میں داخل ہوں کہ کسی کافر کو ان کی واپسی کی خبر تک نہ ہو۔ اس واقعہ سے ان مصنفین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ نبوت کے پانچویں سال ماہِ شوال سے پہلے نازل ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے ماہِ رمضان کو اس کے نزول کا مہینہ متعین کیا ہے لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ استدلال کئی وجوہ سے ناقابلِ تسلیم ہے۔

اس سورت کے مضامین اس قول کی تردید کرتے ہیں کہ اس کا نزول بعثت کے پانچویں سال میں ہوا کیونکہ اس کی ابتدائی آیتوں میں معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے خصوصاً عند سدرۃ المنتھیٰ عندھا جنۃ الماویٰ یہ دو آیتیں اس امر قطعی دلالت

کرتی ہیں کہ اس سورت کے ابتدائی حصہ میں ان احوال کا بیان ہے جو سفرِ معراج میں پیش آئے کیونکہ علی اختلاف الروایات وہاں جبرئیل امین کا دیدار ہوا ہو یا رویت باری کا شرف حاصل ہوا ہو۔ یہ رویت بہرحال سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر ہوئی اور سدرۃ المنتہیٰ پر حضور کی معراج کی رات میں تشریف آوری ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں ہوئی اور معراج کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال یا ڈیڑھ سال قبل وقوع پذیر ہوا اس لیے وہ سورت جس میں ایسا واقعہ مذکور ہے جو نبوت کے دسویں یا گیارھویں سال رونما ہوا۔ اس سورت کا نزول نبوت کے پانچویں سال میں کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ جو اس قول کی تردید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت کی شہرۂ آفاق کتاب میں مہاجرین حبشہ کے حالات کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حتیٰ کہ تمام مہاجرین کے اسماء اور انکے قبائل کے نام بھی بالترتیب درج کیے ہیں۔ وہ آخر میں لکھتے ہیں: وبلغ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذین خرجوا الی ارض الحبشۃ اسلام اھل مکۃ فاقبلوا لما بلغھم من ذلک حتی اذا دنوا من مکۃ بلغھم ان ما کانوا تحدثوا بہ من اسلام اھل مکۃ کان باطلا۔ (سیرت ابن ہشام ص ۳۸۸ ج ۱)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جو سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، انہیں یہ اطلاع ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر وہ واپس لوٹے لیکن جب وہ مکہ کے نزدیک پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع جھوٹی تھی۔

اس روایت میں نہ تو علامہ مذکور نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور اسے سن کر تمام کفار نے سجدہ کیا اس وجہ سے یہ افواہ مہاجرین حبشہ کو ملی تھی اور نہ انہوں نے مہاجرین کی واپسی کے لیے نبوت کے پانچویں سال کے ماہ شوال کو تعیین کیا ہے۔ اگر یہ روایت قابل اعتنا ہوتی تو علامہ مذکور نے جب دیگر تمام تفصیلات کا احاطہ کیا تھا وہ ان دونوں چیزوں کا تذکرہ بھی ضرور کرتے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ام المومنین ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے ہجرت حبشہ کا مفصل حال نقل کیا ہے۔ اس میں بھی واپسی کے بارے میں سورۃ النجم کے نزول کا کوئی ذکر نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں ایک مجمع عام کے سامنے اسکی تلاوت کی اور آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد حضور نے خود بھی سجدہ کیا اور تمام حاضرین نے جنہیں مسلمان کافر جن انس سب شامل تھے۔ اس روایت میں نہ حبشہ کے مہاجرین کی واپسی کا ذکر ہے اور نہ پانچویں سال کا تذکرہ ہے۔

امام مسلم ابوداؤد نسائی اور دیگر مستند محدثین نے اسی طرح کی روایات نقل کی ہیں۔ وہ روایت جس میں سورۃ النجم کی تلاوت اور تمام حاضرین کے سربسجود ہونے کے ساتھ ۵ سنہ نبوی میں مہاجرین حبشہ کی واپسی کا بھی تذکرہ ہے اس میں تلک الغرانیق العلیٰ والے من گھڑت اور جھوٹے قصے کا بیان بھی ہے جسکی علماء محققین نے شدومد سے تکذیب بھی کی ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے اس کی تردید بھی کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے سورہ حج کی آیت ۵۲ کا حاشیہ ضیاء القرآن جلد سوم صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۷۔

اسلیے وہ روایت قطعاً اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے سورہ النجم کے نزول کے لیے نبوت کا پانچواں سال متعین کیا جائے۔

بیشک حبشہ میں یہ افواہ پھیلی تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں لیکن اسکی وجہ یہ نہ تھی جو اس روایت میں بیان کی گئی ہے بلکہ اس کا باعث یہ امر تھا کہ انکی مکہ سے روانگی کے بعد دو ایسی ہستیاں مشرف باسلام ہو گئی تھیں۔ جن کی قوت، شجاعت اور ہیبت سے سارا مکہ خائف اور ترساں رہتا تھا یعنی

حضرت سیدنا حمزہ اور حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کر لیا تھا! انکے مشرف باسلام ہونے سے مسلمانوں کی بے بسی اور بیکسی کا خاتمہ ہو گیا تھا اب وہ کھلے بندوں حرم کعبہ میں عبادت کیا کرتے اور باجماعت نماز ادا کرتے اس خوش کن تبدیلی کے باعث یہ بات اردگرد کے قبائل میں پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ بات حبشہ کے مہاجرین نے بھی سنی نیز حبشہ میں بھی خانہ جنگی کے شعلے بھڑکنے لگے تھے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے خلاف آئے دن بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان وجوہات کے باعث مسلمانوں نے مکہ واپس آنے کا عزم کیا لیکن جب وہ مکہ پہنچے، تو یہاں حالات ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھے اسلیے ان میں سے جو وہاں کسی کی پناہ لیکر آرام کی زندگی بسر کر سکتے تھے وہ وہیں رک گئے اور اکثر حبشہ واپس چلے گئے۔ شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب خاتم النبیین میں اس افواہ کی ایک اور وجہ بھی تحریر کی ہے جو قرین قیاس ہے کہ عمرو بن عاص جب نجاشی کو اس بات پر برانگیختہ کرنے میں ناکام رہے کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم دیدے تو انہیں اپنی یہ ناکامی بہت گراں گزری! انہوں نے یہ چال چلی کہ اس خبر کو حبشہ میں اپنے کارندوں کے ذریعے مشہور کر دیا کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسطرح مسلمان خود بخود اپنے وطن واپس چلے آئینگے اور ہم ان کو دبوچ لیں گے اور ظلم و ستم سے جس طرح چاہیں گے ان کا کچومر نکال دیں گے۔

بہرحال اس افواہ کے مشہور ہونے کی کوئی اور وجہ تو ہو سکتی ہے لیکن یہ وجہ ہرگز نہیں ہو سکتی جو اس روایت پر اعتماد کرنے والے مصنفین نے ذکر کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مضامین: اس سورت میں سب سے پہلے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے جو کفار شرِ عالم پر عائد کیا کرتے تھے کبھی کہتے یہ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں اپنی ساری قوم کی تکذیب کرتے ہیں اور جو کلام یہ پڑھ کر سناتے ہیں اسے خود گھڑ کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ پہلی آیتوں میں قسم اٹھا کر ان الزامات کی تردید فرمادی۔ ما ضل صاحبکم وما غوی۔۔۔ الخ۔ ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ نہ یہ خود ان آیتوں کو گھڑتے ہیں اور نہ سنی سنائی باتیں کرتے ہیں بلکہ جو ذات انہیں یہ کلام بلاغت نظام سکھاتی ہے اسکا انہوں نے دیدار بھی کیا ہے۔ بات شنید تک محدود نہیں بلکہ دید تک جا پہنچی ہے اسلیے کفار کا اس کلام کے بارے میں جگڑنا معقولیت سے کوسوں دور ہے۔ اس کے بعد کفار کو خطاب فرمایا کہ جن عقائد اور نظریات پر تم پختگی سے جمے ہوئے ہو انکی بنیاد وہم و گمان کے سوا کچھ نہیں انکی حقانیت ثابت کرنے کیلئے نہ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل ہے۔ تم اپنے نفس کی خواہشات سے اس قدر مغلوب ہو کر تمہارا نفس جو کہتا ہے اسی کو حق یقین کر لیتے ہو تم نے کبھی ان باتوں میں چھان بین کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی تم خود سوچو کہ کیا ظن و تخمین میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ٹھوس عقائد کو بدل ڈالیں؟ تمہارے کہنے سے نہ حق باطل بن جائیگا اور نہ تمہارے انکار سے حق مٹ جائیگا۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم نفس کی اندھی پیروی کو ترک کر دو اور چشم حقیقت شناس سے حق کے رخِ زیبا کو دیکھو اور پہچانو۔

اسکے باوجود کفار اپنے آپ کو ہدایت یافتہ یقین کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ ان کے راستے سے ہٹ گئے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو بہتر جانتا ہے کہ کون کس حال میں ہے؟ کون گم کردہ راہ ہے؟ اور کس کے دل کو نورِ ہدایت سے منور کر دیا گیا ہے؟

بعد ازاں چند ایسے احکام کا ذکر کر دیا جو قرآن کریم کے نزول سے ہزاروں سال پہلے نازل ہونے والے صحیفوں میں مندرج تھے جو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے تاکہ اہل مکہ جنہیں ابراہیمی نسبت پر فخر و ناز ہے انہیں معلوم ہو جائے کہ نبی کریم کوئی نیا دین اور زندگی کے لیے کوئی انوکھا نظام لے کر نہیں آئے بلکہ یہ انہی سچائیوں کی دعوت دے رہے ہیں جن کی دعوت پہلے انبیاء دیتے رہے ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ جن کی تم اولاد ہو جن کے تعمیر کردہ کعبے کی مجاوری کے باعث تم جہاں جاتے ہو لوگ فرطِ عقیدت سے تمہاری راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔

آخر میں تنبیہ فرمادی کہ ان سچائیوں کا انکار کرنے والے تم پہلے لوگ نہیں ہو تم سے پیشتر بھی کئی بدنصیب قوموں نے ان کو ماننے سے انکار کیا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تباہ کردی گئیں۔ اگر تمہارا بھی یہی وتیرہ رہا تو سُن لو اس کا نتیجہ بھی مختلف نہ ہوگا۔ اس نصیحت پر اس سورت کا اختتام ہوتا ہے کہ اے مکہ کے باشندو! کلام الٰہی سُن کر تم غرور و نخوت سے اکڑتے ہوئے بڑی بے پروائی سے گزر جاتے ہو۔ یہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔ پھر واویلا کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا تمہاری نجات اسی میں ہے کہ تمام جھوٹے بت باطل سے رشتہ توڑ کر اپنے حقیقی خالق اور سچے معبود کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النجم مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۶۲ آیات اور تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جب وہ نیچے اترا اے تمہارا زندگی بھر کا ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا ۲ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی

۱ آیت کے الفاظ کا مفہوم پہلے ذہن نشین کر لیجیے۔ نجم: مطلق ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور النجم ذکر کر کے اس سے ثریا (پروین) مراد لینا بھی اہلِ عرب میں عام مروج ہے۔ یہاں دونوں معنے لیے جا سکتے ہیں۔ هَوٰى: یہ مادہ دو بابوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ باب عَلِمَ یَعْلَمُ: هَوِيَ یَهْوٰى۔ اس وقت اس کا معنی محبت کرنا ہوتا ہے۔ هَوَاهُ: اَحَبَّهٗ۔ دوسرا باب ضَرَبَ یَضْرِبُ: هَوٰى یَهْوِيْ جیسے یہاں مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نیچے گرنا اور بلند ہونا۔ چنانچہ هوى الشيئ: سقط من علوّ الى اسفل۔ ارتفع وصعد۔ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے تب بھی کہتے ہیں هوى الشيئ اور جب کوئی چیز پستی سے بلندی کی طرف جائے اس وقت بھی کہتے ہیں هوى الشيئ۔ البتہ مصدر دونوں حالتوں میں الگ الگ ہوگا۔ نیچے گرنے کے معنی میں ہو تو کہیں گے هَوٰى یَهْوِيْ هُوِيًّا اور بلند ہونے کے معنی میں ہو تو کہیں گے هَوٰى یَهْوٰى هَوِيًّا۔

ستارہ رات کے اندھیرے میں روشنی بھی بہم پہنچاتا ہے۔ فضا کو بھی اپنی ٹمٹماہٹ سے حسن و زینت بخشتا ہے۔ لق و دق صحرا میں مسافر ستاروں ہی سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ستارہ جب آسمان کے وسط میں ہو تو اس وقت وہ راہنمائی نہیں کر سکتا اس لیے صرف النجم کی قسم نہیں اٹھائی بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہو رہا ہو یا ڈھل رہا ہو کیونکہ رہنمائی کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے هو النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهويه نزوله من السماء ليلة المعراج وجوز على هذا ان يراد بهواه صعوده وعروجه عليه الصلوٰة والسلام الى منقطع الامين۔ (روح المعانی)

یعنی النجم سے مراد ذاتِ پاک مصطفیٰ علیہ الطیب التحیۃ والثنا ہے۔ اِذَا هَوٰى سے مراد حضور کا شبِ معراج آسمان سے واپس زمین پر نزول فرمانا ہے۔ اس کے بعد آلوسی فرماتے ہیں کہ اِذَا هَوٰى سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ حضور کا شبِ معراج وہاں تک عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم کی وہ مقدار جو ایک مرتبہ نازل ہو اس کو بھی نجم کہتے ہیں۔ بعض علماء نے یہاں النجم سے بھی قرآن کریم کا نازل شدہ حصہ مراد لیا ہے قیل اراد بذلك القرآن المنجم المنزل قدرًا فقدرًا۔

یہاں النجم مقسم بہ ہے۔ اس کا جو معنی لیا جائے وہاں خاص مناسبت پائی جاتی ہے جو اہلِ نظر پر عیاں ہے۔

۲ یہ جوابِ قسم ہے۔ آیت کے کلمات کی تحقیق پہلے سماعت فرمائیے۔ آیت میں صاحبکم سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ

خواہش سے ۳ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے ۴ انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے ۵ بڑے دانا نے ۶

کی ذاتِ بابرکات ہے۔ صاحب کا معنی سید اور مالک بھی ہے۔ کہتے ہیں صاحب البیت: گھر کا مالک اور اس کا معنی ساتھی اور رفیق بھی ہے لیکن صرف ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت اور سنگت کثرت ہو۔ لا یقال فی العرف الا لمن کثرت ملازمتہ (مفردات) علامہ راغب ضلال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الضلال: العدول عن الطریق المستقیم ویضادہ الھدایۃ ویقال الضلال لکل عدول عن المنھج عمداً کان او سھواً یسیراً کان او کثیراً (مفردات) سیدھے راستے سے رُوگردانی کو ضلال کہتے ہیں۔ اس کی ضد ہدایت ہے۔ بعض نے مزید تشریح کی ہے کہ راستہ سے رُوگردانی دانستہ ہو یا بھول کر ہو، تھوڑی ہو یا زیادہ ہو اس کو ضلال کہتے ہیں اور فاضل موصوف غوی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الغی جھل من اعتقاد فاسد۔ (مفردات) یعنی وہ جہالت جو باطل عقیدہ کی وجہ سے ہو۔ علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں: الغوایۃ ھی الخطاء فی الاعتقاد خاصۃ والضلال اعم منھا۔ یتناول الخطاء فی الاقوال والافعال والاخلاق والعقائد۔ (روح البیان) اعتقادی غلطی کو غوایۃ کہتے ہیں اور ضلال عام ہے۔ یہ اقوال، افعال، اخلاق اور عقائد کی غلطی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور اہل مکہ کو کفر و شرک سے باز آنے کی تبلیغ شروع کی تو اہل مکہ نے کہنا شروع کیا کہ آپ گمراہ ہو گئے ہیں، اپنی قوم کا راستہ چھوڑ دیا ہے، ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے۔ خالق ارض و سما نے پہلے قسم کھائی۔ پھر ان کے الزامات کی تردید کی۔ فرمایا ان کے قول، عمل اور کردار میں گمراہی کا نام و نشان تک نہیں۔ ان کے عقیدہ میں کوئی غلطی اور کجی نہیں اور صاحبکم فرما کر اپنے حبیب کی کتاب حیات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔ یعنی یہ کوئی اجنبی نہیں جو دیارِ غیر سے آ کر یہاں فروکش ہو گئے ہیں اور نبوت کا دعویٰ شروع کر دیا ہے تم ان کے ماضی سے، ان کے خاندانی پس منظر سے، ان کے اطوار و احوال سے اور سیرت و کردار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان کا بچپن تمہارے سامنے گزرا۔ ان کا عہدِ شباب اسی ماحول میں اور تمہارے اس شہر میں بسر ہوا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ اور تمہارے سامنے کاروبار بھی کیا ہے۔ سماجی، قومی اور ملکی مسائل میں ان کی فراست کے تم چشم دید گواہ ہو۔ ان کی کتاب زیست کا کون سا باب ہے جو تم سے پوشیدہ ہے، کون سا ورق ہے جو تم سے مخفی ہے۔ جب ان کی ساری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ، پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب کی طرح بے داغ ہے تو تمہیں ان پر ضلالت و غوایت کے الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

کتنا بارعب، حسین اور مدلل اندازِ بیان ہے۔

نیز اس آیت سے وَوَجَدَكَ ضَالًّا کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں ضال کا معنی گمراہ نہیں بلکہ کسی کی محبت میں سرگرداں اور حیران ہونا ہے جو اس لفظ کا دوسرا معنی ہے۔ تحقیق سورۃ الضحیٰ میں ملاحظہ فرمائیے۔

۳ پہلی آیت کی مزید تائید کی جا رہی ہے یعنی کوئی غلط قدم اٹھانا، کسی باطل عقیدہ کو اپنانا تو بڑی دور کی بات ہے ان کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خواہشِ نفس سے لبوں کو جنبش بھی نہیں دیتے، ان کی زبان پر کوئی ایسی بات آتی ہی نہیں جس کا محرک ان کی ذاتی خواہشات ہوں۔

۴ ھُوَ کا مرجع قرآن کریم ہے۔ یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے۔ جب وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں تو پھر جو کلام یہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں، یہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اور جیسے وحی نازل ہوتی ہے بعینہٖ وہ اسی

طرح لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں اس میں سرمو رد و بدل ناممکن ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ ھَوٰی کا مرجع صرف قرآن کریم نہیں بلکہ قرآن کریم اور جوبات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے نکلتی ہے وہ سب وحی ہے۔ وحی کی دو قسمیں ہیں: جب معانی اور کلمات سب منزل من اللہ ہوں اسے وحی جلی کہتے ہیں جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور جب معانی کا نزول تو من جانب اللہ ہو لیکن ان کو الفاظ کا جامہ حضور نے خود پہنایا ہو اسے وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے جیسے احادیث طیبہ۔ بعض علماء نے ان آیات کے پیش نظر حضور کے اجتہاد کا انکار کیا ہے یعنی حضور کوئی بات اپنے اجتہاد سے نہیں کہتے، بلکہ جو ارشاد ہوتا ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے لیکن جمہور فقہاء نے حضور کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی تصریح فرمائی ہے کہ یہ اجتہاد بھی باذن اللہ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس اجتہاد کی پاسبانی کرتا ہے۔ حضور جو بات بذریعہ اجتہاد فرماتے ہیں وہ بھی عین منشاء خداوندی ہوا کرتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ان اللہ اذا سوغ لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الاجتہاد کان الاجتہاد مایسند الیہ وحیاً لا نطقاً عن الھویٰ (روح المعانی)

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا یہ واقعہ منقول ہے وہ کہتے ہیں میرا یہ دستور تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا، وہ لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم حضور کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو، حالانکہ حضور انسان ہیں، کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرمایا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہ رسالت میں ہوا اور میں نے سلسلۂ کتابت بند کرنے کی وجوہ بیان کیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا خَرَجَ مِنِّیْ اِلَّا الْحَقُّ۔ اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔ اس مسئلے پر مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیے فقیر کی تصنیف سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۵ اس آیت سے لے کر لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ تک کی تفسیر میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے صراحتہً پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ میں بھی ان آیات کے بارے میں اختلاف موجود تھا۔ جہاں تک آیات کی نصوص کا تعلق ہے ان سے دونوں مفہوم اخذ کیے جا سکتے ہیں اور کوئی ایسی حدیث مرفوع بھی موجود نہیں جو ان آیات کے مفہوم کو متعین کر دے، ورنہ ایسے ارشاد نبوی کی موجودگی میں ایسا اختلاف سرے سے رونما ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے علمائے کرام ان آیات کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ اپنی دیانتدارانہ تحقیق کی روشنی میں ہمیں یہ حق تو پہنچتا ہے کہ ان دو قولوں میں سے کوئی ایک قول اختیار کر لیں لیکن ہمیں یہ حق ہرگز نہیں کہ دوسرے قول کے قائلین کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

یہ ہیچمیرز پہلے عام مفسرین کی رائے کے مطابق ان آیات کی تشریح پیش کرے گا اور اس کے بعد دوسرے مکتب فکر کی تحقیق پیش کی جائے گی۔ قارئین کرام اس کے بعد خود فیصلہ کر لیں کہ کس فریق کا قول زیادہ قرین صواب ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک شدید القویٰ سے مراد حضرت جبرئیل ہیں یعنی جبرئیل امین نے حضور کو قرآن کریم سکھایا۔ جبرئیل کے شدید القویٰ ہونے میں کسی کو کیسے شک ہو سکتا ہے جو چشم زدن میں سدرۃ المنتہیٰ سے فرش زمین پر پہنچ جائے، جو وحی کے بار گراں کا متحمل ہو، جس نے لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑا، پھر انہیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا، پھر انہیں اوندھا کر کے پھینک دیا۔ ایسی ہستی کی قوت و طاقت کا کیا کہنا۔

فَاسْتَوٰى ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝٧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝٨ فَكَانَ قَابَ

پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا ۷ اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا ۸ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا ۹ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ

۶ مِرَّة: اصل میں رسی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ اصلہ من شدۃ فتل الحبل (قرطبی) اسی لیے ذو مرہ کا معنی ذو قوۃ یعنی طاقتور اور زور آور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے حکیم اور دانا کو بھی ذو مرۃ کہتے ہیں۔ وقال قطرب: تقول العرب لکل جزل الرای حصیف العقل ذو مرۃ۔ (قرطبی)

شدید القوٰی سے حضرت جبرئیل کی جسمانی قوتوں کا بیان ہے اور ذو مرۃ سے ان کی دانش مندی اور عقلمندی کا ذکر ہے۔ بیشک جو ہستی تمام انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتی رہی اور پوری دیانت داری سے اس امانت کو ادا کرتی رہی اس کی دانش مندی اور فرزانگی کے بارے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔

۷ فاستوٰی کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ مطلب یہ ہے فاستقام علی صورتہ الحقیقیۃ التی خلقہ اللہ تعالیٰ علیہا۔ یعنی جبرئیل امین اپنی حقیقی مکی شکل میں نمودار ہوئے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی مکی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں۔ اوائل نبوت کا زمانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا کے باہر تشریف فرما ہیں مشرقی افق پر جبرئیل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کے شرقی غربی کنارے بھر گئے؛ حالانکہ ابھی آپ نے اپنے چھ سو پروں سے صرف دو پر ہی پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام میں سے صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی جبرئیل کو اپنی اصلی مکی شکل میں دیکھا۔

فاستوٰی کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ای فاستوی القرآن فی صدرہ۔ یعنی جو قرآن جبرئیل نے آپ کو سکھایا وہ آپ کے سینہ مبارک میں قرار پکڑ گیا۔ اب اس کے بھول جانے کا کوئی امکان نہیں۔

۸ ھُوَ کا مرجع بھی جبرئیل امین ہیں۔ اُفق اس کنارے کو کہتے ہیں جہاں آسمان و زمین آپس میں ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اَعْلٰی: بلند ترین۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جبرئیل آسمان کے مشرقی کنارے پر جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

۹ دَنٰی اور فَتَدَلّٰی دونوں فعلوں کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ دَنٰی کا معنی ہے قریب ہونا اور تَدَلّٰی کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کو کنویں میں لٹکایا جائے اور اس کی رسی لٹکانے والے نے پکڑ رکھی ہو تو کہتے ہیں اَدْلٰی دَلْوًا۔ اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں ان کو بھی دوالی کہتے ہیں۔ الدوالی: الثمر المعلق کعناقید العنب۔ جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہوا اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہو اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں: دَلّٰی رِجْلَیْہِ مِنَ السَّرِیْرِ۔ (روح المعانی)

علامہ قرطبی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل التدلی: النزول الی الشیئ حتی یقرب منہ۔ اس صورت میں آیت

قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ

اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا ۱۰ پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی ۱۱ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا

مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝

(چشم مصطفےٰ) نے ۱۲ کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا ۱۳ اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا ۱۴

کا مفہوم ہوگا کہ جبرئیل جو اپنی اصلی نکی شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت شرقی افق پر نمودار ہوئے تھے، وہ حضور کے نزدیک آئے اور افق کی بلندیوں سے نزول کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل قریب ہو گئے۔

۱۰ جبرئیل امین رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس قدر قریب ہوئے اس کو اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے قاب کا معنی مقدار اور اندازہ ہے۔ قوسین، قوس (کمان) کا تثنیہ ہے۔ نہایت قرب کو بیان کرنے کے لیے اہل عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب اپنی باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے۔ کھچا شدہ کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اس کو چھوڑتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار متحد و متفق ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی کسی نے حملہ کیا یا زیادتی کی تو دونوں مل کر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں گے۔

بعد میں یہ الفاظ کامل یگانگت اور اتحاد کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جانے لگے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جبرئیل رسول کریم کے بالکل نزدیک آ گئے جس طرح دو ملی ہوئی کمانیں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں۔ او ادنیٰ کہہ کر مزید قرب کی طرف اشارہ کر دیا کہ دو کمانوں میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ فاصلہ اور مغائرت باقی رہتی ہے یہاں تو اس سے بھی زیادہ قرب تھا۔ آیت میں اَوْ تشکیک کے لیے نہیں بلکہ بَلْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح وارسلنا الی مائۃ الف او یزیدون یعنی بل یزیدون (مظہری)

۱۱ اَوْحٰی کا فاعل بھی جبرئیل ہے۔ عبدہ کی ضمیر کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے یعنی جبرئیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ بعض نے پہلے اَوْحٰی کا فاعل جبرئیل اور دوسرے اَوْحٰی کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اس وقت آیت کا ترجمہ ہوگا جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل پر وحی کی تھی۔

۱۲ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جبرئیل امین کو ان کی اصلی شکل میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تو دل نے اس کی تصدیق کی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں یہ ایک حقیقت ہے۔ واقعی یہ جبرئیل ہے جو اپنی اصلی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ یہ نظر کا فریب نہیں، نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ اور آ رہا ہو۔ ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس صورت حال سے ضرور واسطہ پڑا ہوگا کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آ رہا ہے لیکن دل اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں ایسی صورت حال نہیں ہے۔ آنکھیں جبرئیل کو دیکھ رہی ہیں اور دل تصدیق کر رہا ہے کہ واقعی یہ جبرئیل ہے۔ دل کو یہ عرفان اور ایقان کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ۱۵ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے ۱۶ جب سدرہ پر

السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ

چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا ۱۷ نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفےٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی ۱۸ یقیناً انہوں نے اپنے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور نفسانی شکوک و شبہات سے بالکل محفوظ رکھتا ہے۔ جس طرح ان کو منجانب اللہ اپنی نبوت پر یقین محکم ہوتا ہے، اس بارے میں انہیں قطعاً کوئی تردد نہیں ہوتا، اسی طرح ان پر جو وحی اتاری جاتی ہے، جو فرشتے ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں، جن انوار و تجلیات کا انہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے، ان کے بارے میں انہیں ذرا تردد نہیں ہوتا۔ یہ علم اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا یقین حسب مراتب انسانوں بلکہ حیوانات کو بھی مرحمت ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے انسان ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی تردد نہیں۔ بطخ کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی یہ عرفان بخشا جاتا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتا ہے، چنانچہ وہ بلا تامل پانی میں کود جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۱۳ تمارون: المراء سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے جھگڑنا، بحث و تکرار کرنا۔ من المراء وھو المجادلۃ۔ یعنی اے کفار! تم میرے رسول سے اس بات پر جھگڑتے ہو جس کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

۱۴ تم تو اس بات پر جھگڑ رہے ہو کہ میرے رسول نے جبرئیل کو ایک بار بھی دیکھا ہے یا نہیں، حالانکہ انہوں نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے۔

۱۵ دوسری بار دیکھنے کی جگہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ دوسری دید سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی۔ سدرۃ: عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ منتہیٰ: آخری کنارہ، آخری سرحد۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ بیری کا وہ درخت جو مادی جہان کی آخری سرحد پر ہے۔ اس کے بارے میں کتاب و سنت میں جو کچھ ہے، ہم اس کو بلا تاویل تسلیم کرتے ہیں، البتہ وہ درخت کیسا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شاخوں، پتوں اور پھلوں کی نوعیت کیا ہے؟ ہمیں ان کی ماہیت معلوم نہیں اور نہ ان کی ماہیت جاننے میں ہمارا کوئی دنیوی اور اخروی مفاد ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود بیان فرما دیتا۔ یہ ان اسرار میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

۱۶ ماویٰ: اسم ظرف ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان قرار پکڑتا ہے، آرام کرتا ہے۔ اس جنت کو جنت الماویٰ کیوں کہا گیا ہے، علمائے کرام نے اس کی متعدد توجیہیں ذکر کی ہیں۔ شہداء کی روحیں یہاں تشریف فرما ہیں۔ جبرئیل اور دیگر ملائکہ کی یہ رہائش گاہ ہے۔ پرہیزگار اہل ایمان کی روحیں یہاں ٹھہرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۷ یعنی جن انوار و تجلیات کے ہجوم نے سدرہ کو ڈھانپ لیا، ان کو بیان کرنے کے لیے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر و بیان سے ماورا ہے، اسی طرح فہم و ادراک کی رسائی سے بھی بالاتر

ہے۔ اس دلآویز منظر کی تصویر کشی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی۔

۱۸ علامہ جوہری نے زاغ کے دو معنی لکھے ہیں۔ الزیغ: المیل وقد زاغ یزیغ وزاغ البصر ای کَلَّ (صحاح) یعنی کسی چیز کا دائیں بائیں مڑ جانا' اِدھر اُدھر ہو جانا۔ اس کو بھی زیغ کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ سرورِ عالیشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی۔ اِدھر اُدھر' دائیں بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ دوسرا معنی ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا۔ جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے' تو آنکھ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتی اور چُندھیا جاتی ہے۔ فرمایا میرے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چُندھیا نہیں گئیں' درماندہ ہو کر بند نہیں ہو گئیں' بلکہ جی بھر کر ان کا دیدار کیا۔

وما طغیٰ سے اپنے حبیب کی چشم پاک کی دوسری شان بیان کی گئی ہے۔ طغیٰ کہتے ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ طغیٰ یطغی ویطغو ای جاوز الحد (صحاح)

یہاں تک ہم نے ایک مکتبِ فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک کر دی گئی ہے۔ ان کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔

دوسرے مکتبِ فکر کے علمائے اعلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے' اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

علّمہٗ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شدید القویٰ اور ذو مرۃ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا دانا ہے' اس نے اپنے نبی کریم کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ جس طرح الرحمٰن علم القرآن میں صراحۃً مذکور ہے۔

فاستویٰ کا فاعل نبی کریم ہیں' یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ سفرِ معراج میں افقِ اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکان میں رب العزت کے قریب ہوئے اور وہاں فائز ہو کر فَتَدَلّٰی (سجدہ ریز ہو گئے)' پس اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب انہیں ملایا جاتا ہے' بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالتِ قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اس حریمِ ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا' دل نے اس کی تصدیق کی اور تمہارا یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا' محض بے سود ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا' دکھا دیا۔ دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہ نعمتِ دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی' بلکہ اُترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دوبارہ شرفِ دید سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔

اس پُرتقصیر کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ عبد کی عبد سے ملاقات کو اس اہتمام' اس تفصیل اور اس کیف انگیز اسلوب سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر یہاں حضور کی جبرئیل امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک آیت ہی کافی تھی۔ کیف انگیز اندازِ بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبدِ کامل کی اپنے معبودِ برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف عشق ہے نیاز ہے' درماندگی ہے اور دوسری طرف حُسن ہے' شانِ صمدیت ہے اور شانِ بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور کی ملاقات جبرئیل سے بھی بے شک بڑے فوائد کی حامل ہے' لیکن حضور کے لیے باعثِ ہزار سعادت و وجہِ فضیلت فقط اپنے محبوبِ حقیقی کی ملاقات ہے۔ ان آیات کو

ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔ آپ کا وجدان اسلوب بیان کی رعنائیوں پر جھوم جھوم اٹھے گا۔

نیز کفار کا اعتراض یہ تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر انہیں سناتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ کر لاتے ہیں یا انہیں کوئی آکر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی چاہیے کہ فرمایا جائے یہ کلام نہ انہوں نے خود گھڑا ہے نہ کسی نے انہیں سکھایا ہے بلکہ اس خالق کائنات نے انہیں اس کی تعلیم دی ہے جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشار ضمائر کی وجہ سے ذہن میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو قرآن کے معیار فصاحت سے بھی مناسبت نہیں رکھتی اس سے رستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول کو تسلیم کیا جائے۔

ان تمام وجوہ ترجیح کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو وہ احادیث صحیحہ جن میں واقعات معراج کا بیان ہے وہ اس مفہوم کی تائید کے لیے کافی ہیں۔ میں یہاں فقط دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کروں گا اور ان کا بھی فقط وہ حصہ جس سے ان آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں ایک مفصل حدیث روایت کرتے ہیں جس کا وہ حصہ درج ذیل ہے جس کا ہمارے مدعا سے تعلق ہے۔

. . . . . ثم عُرِج بنا الی السماء السابعة فاستفتح جبرئیل فقیل من هذا قال جبرئیل. قیل ومن معك قال محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قیل قد بُعث الیه قال قد بُعث الیه ففتح لنا فاذا انا بابراهیم علیه الصلوٰة والسلام مُسندا ظهره الی البیت المعمور واذا هو یدخله کل یوم سبعون الف مَلَكٍ لا یعودون الیه ثم ذهب بی الی السدرة المنتهیٰ فاذا ورقها کآذان الفیل واذا ثمرها کالقلال قال فلما غَشِیها من امر الله ما غشی تغیرت وما احد من خلق الله یستطیع ان ینعتها من حُسنها فاوحیٰ الیّ ما اوحیٰ ففرض علیّ خمسین صلوٰة فی کل یوم ولیلة فنزلتُ الی موسیٰ علیه السلام فقال ما فرض ربُّك علی امتك قلت خمسین صلوٰة قال ارجع الی ربك فاسئله التخفیف فان امتك لا یطیقون ذلك فانی قد بلوتُ بنی اسرائیل وخبرتُهم قال فرجعتُ الی ربی فقلت یا رب خفف علی امتی وحطّ عنی خمسا فرجعتُ الی موسیٰ وقلت حطّ عنی خمسا قال ان امتك لا یطیقون ذلك فارجع الی ربك فاسئله التخفیف قال فلم ازل ارجع بین ربی وبین موسیٰ علیه السلام حتی قال یا محمد انهنّ خمس صلوات کل یوم ولیلة لکل صلوٰة عشرٌ کذلك خمسون صلوٰة ومن هم بحسنة فلم یعملها کتبتُ له حسنة فان عملها کتبتُ له عشرا ومن هم بسیئة ولم یعملها لم تکتب له شیئا فان عملها کتبت سیئةً واحدة قال فنزلت حتی انتهیت الی موسیٰ علیه السلام فاخبرته فقال ارجع الی ربك فاسئله التخفیف وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت قد رجعتُ الی ربی حتی استحییتُ منه۔

(مسلم شریف جلد اول ص۹۱)

. . . . . پھر مجھے اور جبرئیل کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ جبرئیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ آواز آئی کون ہے؟ کہا میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پھر پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا ہاں۔ پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور وہ

مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا، تو وہ اتنا خوبصورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا فرمائیے آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا اپنے رب کی طرف واپس جائیے اور تخفیف کی التجا کیجیے۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں . . . . . چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا، تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا، تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا، لیکن اس پر عمل نہ کیا، تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کو کیا، تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں اتر کر موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور تخفیف کے لیے عرض کیجیے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں، اب مجھے شرم آتی ہے۔"

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھیے، حقیقتِ حال روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرئیل گئے۔ یہاں تک کے لیے عُرِجَ بِنا جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی رہی۔ اس کے آگے جبرئیل کی حدِ پرواز ختم ہو گئی اور حضور کو اکیلے لے جایا گیا، اس لیے ذَهَبَ بِیْ میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر فاوحیٰ الیٰ ما اوحیٰ اور فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ میں جو کیفیت ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس مقام پر وحی کی جا رہی ہے جہاں جبرئیل امین کی مجال نہیں۔ پھر فَرَضَ کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے، تو وہ بارگاہِ الٰہی میں واپس لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں، جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہِ عزت و جلال میں شرفِ باریابی حاصل کرتا رہا۔ دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ما کذب الفؤاد ما رأیٰ . . . . ولقد رآہ نزلۃً اُخریٰ ان کلماتِ طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے، حقیقت آشکارا ہوتی چلی جائے گی۔

نویں مرتبہ جب بارگاہِ رب العزت میں حاضری ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں، بلکہ مزید کرم یہ فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دوں گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامۂ عمل میں لکھوں گا، لیکن اگر برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامۂ عمل میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔ قربان جائے انسان اللہ تعالیٰ کے محبوب کی نیازمندیوں پر اور قربان جائے انسان اس کے رب کریم کی بندہ نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی، تو پھر پہلے پچاس فرض

کرنے میں کونسی حکمت ہے۔ اس میں بھی اپنے بندوں کو اپنے محبوب کے اتیوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوب کریم کے صدقے تم پر ہوا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر یہ بارِ گراں لاد دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لیے التجا کی تو ایک بار ہی پینتالیس نمازیں کیوں نہ معاف کر دی گئیں؟ اس راز کو صرف اہلِ محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے، میں دیتا جاؤں، وہ بار بار دامنِ طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے میں جو لذت و سرور ہے اس سے ہر کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ایسی نااہل ہے اور اتنی ناشکر گزار ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں پانچ بار بھی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہوگی۔ ہم غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری جملے کو کبھی فراموش نہ کریں۔

اب آئیے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے:

"..... ثم مررت بابراهيم عليه السلام فقال مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح قال قلت من هذا قال هذا ابراهيم. قال ابن شهاب واخبرني ابن حزم ان ابن عباس وابا حبة الانصاري يقولان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه صريف الاقلام قال ابن حزم وانس بن مالك قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ففرض الله على امتي خمسين صلوة قال فرجعت بذلك حتى امر بموسى عليه السلام وقال موسى ماذا فرض ربك على امتك قال قلت فرض عليهم خمسين صلوة قال لي موسى فراجع ربك فان امتك لا تطيق ذلك قال فراجعت ربي فوضع شطرها الخ

(مسلم شریف ص۹۳ مشکوٰۃ شریف متفق علیہ)

ترجمہ "..... حضور فرماتے ہیں پھر میں ابراہیم کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے نبیٔ صالح مرحبا! اے فرزندِ ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں۔ ابنِ شہاب کہتے ہیں مجھے ابنِ حزم نے خبر دی کہ ابنِ عباس اور ابو حبۃ انصاری کہا کرتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلامِ تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ ابنِ حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصہ معاف ہوا ..... الخ"

ان خط کشیدہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھیے۔ کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے وہاں جبرئیل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبرئیل واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ علمہ شدید القویٰ سے لے کر ما زاغ البصر وما طغیٰ تک کی آیات کو جبرئیل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال و واقعات پر جو زبانِ رسالت

سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

اس مقام پر انہی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء مفسرین نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شبِ معراج دیدارِ الٰہی نصیب ہوا یا نہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پیروکار اس طرف گئے ہیں کہ شبِ معراج دیدارِ الٰہی نصیب نہیں ہوا، لیکن حضرت ابنِ عباس، دیگر صحابہ، تابعین اور ان کے ہمنواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دولتِ دیدار سے مشرف فرمایا۔ آئیے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

جہاں تک امکانِ رویت کا تعلق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے، کیونکہ انبیا کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع۔ محال اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رویتِ باری کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ عن ابن مسعود فی قولہ تعالیٰ وکان قاب قوسین او ادنیٰ وفی قولہ ما کذب الفواد ما رای وفی قولہ لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ۔ رای جبرئیل علیہ السلام لہ ستمائۃ جناح۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔

۲۔ ما کذب الفواد ما رای، قال ابن مسعود رای رسول اللہ جبرئیل فی حلۃ من رفرف قد ملأ ما بین السماء والارض۔ (رواہ الترمذی)

ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو ایک ریشمی حلہ (پوشاک) میں دیکھا کہ آپ نے آسمان و زمین کے مابین خلا کو پُر کر دیا۔

۳۔ وللترمذی وللبخاری فی قولہ تعالیٰ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔ قال ابن مسعود رای رفرفا اخضر سد افق السماء۔

ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لقد رای الایۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابنِ مسعود نے فرمایا کہ حضورؐ نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔

۴۔ عن الشعبی قال لقی ابن عباس کعبا بعرفۃ فسألہ عن شیئ فکبّر حتی جاوبتہ الجبال فقال ابن عباس انا بنو ھاشم فقال کعب ان اللہ قسم رویتہ وکلامہ بین محمد وموسیٰ۔ وکلم موسیٰ

مرتین و رآہ محمد مرتین. قال مسروق فدخلت علی عائشۃ وقلت ھل رای محمد ربہ وقالت لقد تکلمت بشیئ قف لہ شعری قلت رویدا ثم قرأت لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ فقالت این تذھب بک انما ھو جبرئیل س اخبرک ان محمدا رای ربہ . . . . . وقد اعظم الفریۃ ولکنہ رای جبرئیل ولم یرہ فی صورتہ الا مرتین. مرۃ عند سدرۃ المنتھیٰ ومرۃ فی اجیاد قد سد الافق. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: شعبی کہتے ہیں عرفہ کے میدان میں ابن عباس نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا. حضرت کعب نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی. ان کی حیرت کو دیکھ کر ابن عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں. ہمارا تعلق خاندانِ نبوت سے ہے. میں کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں، تو کعب نے کہا، گویا یہ حضرت ابن عباس کے سوال کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا. موسیٰ سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمد مصطفیٰ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا. علیہم السلام. مسروق کہتے ہیں یہ سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں تو نے ایسی بات کی ہے جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے. میں نے عرض کی مادرِ محترم ذرا ٹھہریے. پھر میں نے یہ آیت پڑھی لقد رای الآیۃ آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو. اس سے مراد تو جبرئیل ہے. جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے، اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے، بلکہ حضور نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک بار اجیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا.

امام مسلم روایت کرتے ہیں: عن مسروق قال کنت متکئا عند عائشۃ وقالت یا ابا عائشۃ ثلاث من تکلم بواحدۃ منھن فقد اعظم علی اللہ الفریۃ. قلت ما ھن قالت من زعم ان محمدا رای ربہ وقد اعظم علی اللہ الفریۃ قال وکنت متکئا وجلست وقلت یا ام المؤمنین انظرینی فلا تعجلینی الم یقل اللہ تعالیٰ ولقد راٰہ بالافق المبین ولقد راٰہ نزلۃ اخری وقالت انا اول ھذہ الامۃ سأل عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال انما ھو جبرئیل علیہ السلام لم یرہ علی صورتہ التی خلق علیھا غیر ھاتین المرتین رایتہ منھبطا من السماء ساداً عظم خلقہ ما بین السماء والارض وقالت اَوَلَمْ تَسْمَعْ ان اللہ عزوجل یقول لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر. اَوَلَمْ تَسْمَعْ ان اللہ یقول وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا. الآیۃ (مسلم)

ترجمہ: مسروق سے مروی ہے انہوں نے کہا میں اُمّ المؤمنین کی خدمت میں حاضر تھا، تو آپ نے فرمایا اے مسروق! (ابو عائشہ ان کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا. میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا. میں ٹیک لگائے ہوئے تھا، اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی اے اُمّ المؤمنین! میری طرف دیکھیے. جلدی نہ کیجیے. کیا اللہ تعالیٰ نے

خود نہیں فرمایا؛ ولقد راٰہ بالافق المبین کہ آپ نے اسے افق مبین میں دیکھا اور دوبارہ دیکھا۔ آپ نے جواب دیا اس امت سے میں پہلی ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ . . . . . اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ وہ آنکھوں کو پالیتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے۔

اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا وما کان لبشر الایۃ کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔ (مسلم)

۵۔ روی الشیخان قال مسروق قلت لعائشۃ این قولہ ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی قالت ذاک جبرئیل۔ کان یاتیہ فی صورۃ رجل وانہ اتاہ فی ھذہ المرۃ فی صورتہ التی ھی صورتہ فسد الافق۔ (مشکوٰۃ شریف)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ بھی اس بارے میں بڑی متشدد تھیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے دو آیتوں سے استدلال بھی کیا ہے۔

اب ان لوگوں کے دلائل سماعت فرمائیے جو دیدار الٰہی کے قائل ہیں:

۱۔ عن ابن عباس ما کذب الفواد ما رای ولقد راٰہ نزلۃ اخری قال راٰہ بفؤادہ مرتین۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں قال ابن عباس رای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربہ قال عکرمۃ قلت الیس اللہ یقول لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار قال ویحک ذاک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ وقد رای ربہ مرتین۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا افسوس تم سمجھے نہیں۔ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ابن عمر دریں مسئلہ مراجعت بوے کردہ پرسید کہ ھل رای محمد ربہ پس وے گفت راٰہ پس ابن عمر تسلیم نمودہ وقطعا براٰہ تردد وانکار نرفتہ۔" (اشعۃ اللمعات چہارم ص ۴۳۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا کیا حضورؐ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ پس ابن عباس نے جواب دیا کہ حضورؐ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردد و انکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

۲۔ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں مندرجہ ذیل روایات نقل کرتے ہیں:

روی ابن خزیمہ باسناد قوی عن انس قال رای محمد ربہٗ وبہ قال سائر اصحاب ابن عباس وکعب الاحبار والزھری وصاحبہ معمر۔

ترجمہ: ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس کے شاگرد، کعب احبار، زہری اور معمر کہا کرتے تھے۔

۳۔ اخرج النسائی باسناد صحیح وصححہ الحاکم ایضا من طریق عکرمۃ عن ابن عباس اتعجبون ان تکون الخلۃ لابراھیم والکلام لموسیٰ والرؤیۃ لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ روایت نسائی نے سندِ صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔ آپ کہا کرتے کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور دیدار کی سعادت محمد رسول اللہؐ کے لیے ہو۔

۴۔ امام مسلم حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں: قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل رأیت ربک قال نورانی اراہ۔ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے، نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ۔ دوسرا نُوْرٌ اِنّٰی اَرَاہُ۔ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا: ابوذر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کیا حضورؐ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ سراپا نور ہے، میں نے اسے دیکھا۔

۵۔ مسلم کے اسی صفحے پر ایک روایت ہے: عن عبد اللہ بن شقیق قال قلت لابی ذر لو رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لسألتہٗ فقال عن ای شیئ کنت تسألہ قال کنت اسألہٗ ھل رأیت ربک قال ابوذر قد سألتہٗ فقال رأیتُ نُوْرًا کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ روایت بھی دوسری توجیہ کی تائید کرتی ہے۔

۶۔ حکی عبد الرزاق عن معمر عن الحسن انہ حلف ان محمدا رای ربہٗ (عمدۃ القاری ص۱۹۸ جلد ۱۹) کہ حسن بصری اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضورؐ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔

۷۔ واخرج ابن خزیمۃ عن عروۃ بن زبیر اثباتا۔ عروہ بن زبیر سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رؤیت کے قائل تھے۔

۸۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے میں لکھا: فروی الخلال فی کتاب السنۃ عن المروزی قلت لاحمد انھم یقولون ان عائشۃ قالت من زعم ان محمدا رای ربہ وقد اعظم علی اللہ الفریۃ فبای شیئ یدفع قولھا۔ قال

بقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت ربی. قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکبر من قولها. (فتح الباری ص ۴۹۲ جلد ۸)

ترجمہ: مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں ام المومنین یہ کہا کرتی ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے، تو حضرت عائشہ کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے؟ آپ نے فرمایا حضور کے اس ارشاد کے ساتھ رأیت ربی کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے قول سے بہت بڑا ہے۔

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں فحول صحابہ مثلاً ابن عباس، کعب احبار، انس، ابی ذر کے علاوہ کبار تابعین عروہ بن زبیر، حسن بصری، عکرمہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سن چکے ہیں۔ ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان تمام دلائل کو بالتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

اذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرویة وجب المصیر علی اثباتها فانها لیست مما یدرك بالعقل ویؤخذ بالظن فانما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس انه تکلم بهذه المسئلة بالظن والاجتهاد ثم ان ابن عباس اثبت شیئا نفاه غیره والمثبت مقدم علی النافی۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہے، تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔ یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہوگا۔ نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں۔ دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی ربه بعینی رأسه لیلة الاسراء ..... وهذا مما لا ینبغی ان یتشکك فیه کہ حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علما کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم جس کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں اسی کے اگلے صفحے پر حدیث مرفوع موجود ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے ولقد رآہ بالافق المبین اور ولقد رآہ نزلة اخری کے بارے میں حضور سے پوچھا تو حضور نے فرمایا وہ جبرئیل امین تھے۔ جب مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابن حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے ولقد رآہ بالافق المبین کے بارے میں حضور

سے استفسار کیا اور حضور نے فرمایا کہ وہ جبرئیل ہیں اور یہ بلاشبہ درست ہے کیونکہ یہ آیت سورۂ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبرئیل کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے وانہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین۔ یہ سارا ذکر جبرئیل امین کا ہے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش کی تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے۔ وہ افق جہاں جبرئیل نمودار ہوئے اسے افق مبین کہا گیا ہے لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہو رہا ہے وہ ھو بالافق الاعلیٰ ہے۔ آسمان اور زمین کے افق کو افق مبین تو کہہ سکتے ہیں لیکن افق اعلیٰ وہ ہوگا جو تمام آفاق سے بلند تر ہو یعنی فلک الافلاک کا کنارہ۔ اس لیے امام نووی کا قول ہی درست ہے کہ شب معراج نفی رویت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر و تشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

وانا اقول برویتہ صلی اللہ علیہ وسلم ربہ سبحانہ وبدنوہ منہ سبحانہ علی الوجہ اللائق (روح المعانی)

اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قرب الٰہی نصیب ہوا، لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا، تو آپ جواب میں فرماتے:

راٰہ راٰہ حتی ینقطع نفسہ (روح المعانی)

ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔

مولانا سید انور شاہ صاحب اس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

ولکنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشرف برویتہ تعالیٰ ومن علیہ ربہ بھا وکرمہ وتفضل علیہ بنوالہ و افاض علیہ من افضالہ فراٰہ کما قال احمد رحمہ اللہ مرتین الا انہ راٰہ کما یری الحبیب الی الحبیب والعبد الی مولاہ لاھو یملک ان یکف عنہ نظرہ ولا ھو یستطیع ان یشخص الیہ بصرہ وھو قولہ تعالیٰ مازاغ البصر وما طغیٰ۔ (فیض الباری شرح البخاری)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل و احسان سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر روئے دلدار کو دیکھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے مازاغ البصر وما طغیٰ۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ

رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۱۹ (اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات و عزیٰ کے بارے میں ۲۰ اور مناۃ کے بارے میں جو

۱۹ آیاتِ کبریٰ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والمراد بالآیات العجائب الملکوتیة التی رآھا فی لیلة المعراج فی مسیرہ وعودہ من البراق والسموات والانبیاء والملائکة والسدرة المنتھی وجنة الماویٰ. (تفسیر مظہری)

یعنی آیاتِ کبریٰ سے مراد عالمِ ملکوت کی وہ عجیب و غریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفرِ معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سموات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ وغیرہا۔

پھر علامہ مذکور فرماتے ہیں اگرچہ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی بہت بڑی نشانی ہے ان اشیاء کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے، وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں۔

۲۰ خداوندِ ذوالجلال کی صفاتِ کمال کے بیان کے بعد اب مشرکین کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس حی و قیوم اور قادر و حکیم خدا کو چھوڑ کر تم بے جان مجسموں کی پوجا پاٹ میں اپنی عمریں برباد کر رہے ہو۔ اگرچہ کفارِ عرب بے شمار بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے تین سو ساٹھ بت تو صرف کعبے میں رکھے ہوئے تھے، مگر یہاں ان تین دیویوں کا نام لے کر ان کا ذکر کیا جن کی جزیرۂ عرب میں بڑی کثرت سے پرستش ہوتی تھی۔ قربانی کے جانور لا کر ان کے لیے ذبح کیے جاتے تھے اور نذرانوں کے ڈھیر لگتے تھے۔

پہلے ہم ان بتوں کی وجہ تسمیہ، ان کے مخصوص مقامات اور جو قبائل ان کے خاص طور پر معتقد تھے، ان کا ذکر کریں گے، بعد میں آیات کی تشریح کی جائے گی۔

لات: قتادہ کہتے ہیں کہ لات قبیلۂ ثقیف کا بت تھا جس کا استھان طائف میں تھا۔ اس شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ؎

وفرت ثقیف الی لاتھا ۔۔۔ بمنقلب الخائب الخاسر

یعنی بنو ثقیف خائب اور خاسر ہو کر بھاگتے ہوئے اپنے لات کے پاس لوٹ آئے۔

بنو ثقیف اس کے بڑے معتقد تھے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبے کو گرانے کے قصد سے مکہ جاتے ہوئے طائف سے گزرا، تو انہوں نے اسے رہبر مہیا کیے اور دیگر سہولتیں بہم پہنچائیں تاکہ وہ ان کے معبود لات کے استھان کو منہدم نہ کرے۔

لات کے ماخذ کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک "ت" اس کا حرفِ اصلی ہے۔ اس کے اصل حروف ل۔ی۔ت یا ل۔و۔ت ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا اصل لوی یلوی ہے جس کا معنی جھکنا اور مڑنا ہے، کیونکہ اس کے

پرستار اس کے ارد گرد چکر لگایا کرتے اور جھک جھک کر اس کو سجدے کیا کرتے، آداب بجالایا کرتے اس لیے اس کو لات کہا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لت یلت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ستو میں گڑ وغیرہ ڈال کر لتھیڑنا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص حجاج کے لیے ستو اسی طرح تیار کیا کرتا تھا۔ اس کے مرجانے کے بعد جس چٹان پر بیٹھ کر وہ یہ کام کیا کرتا تھا، اس کی پرستش شروع ہوگئی۔ کہتے ہیں یہ شخص طائف کا رہنے والا تھا۔

لیکن مجھے ان تمام توجیہات سے علامہ راغب کی تحقیق زیادہ پسند ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واصل اللات الله فحذفوا منه الهاء وادخلوا التاء فيه وانثوه تنبيها على قصوره عن الله وجعلوه مختصا لما يتقرب به الى الله تعالى فى زعمهم (مفردات)

ترجمہ: اس کا اصل اللہ ہے۔ ہ کو حذف کر دیا اور اس کے آخر میں تا داخل کر دی گئی تاکہ یہ مونث بن جائے اور اس چیز پر دلالت کرے کہ اس کا درجہ اللہ سے کم ہے۔ وہ اپنے گمان میں اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ خیال کیا کرتے تھے۔

عُزّٰی: اس کا ماخذ عزت ہے یہ اعزیٰ کی تانیث ہے۔ سوق عکاظ کے قریب وادی نخلہ میں خراض نامی ایک بستی تھی عزیٰ کا مندر اس جگہ تھا۔ بنو غطفان اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک یہ بنی شیبان کی دیوی تھی جو بنی ہاشم کے حلیف تھے۔ قریش اور دوسرے قبائل اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے۔ قربانی کے جانور یہاں لاکر ذبح کرتے اور نذرانے چڑھاتے۔ تمام دوسرے بتوں سے زیادہ اس کی عزت و تکریم کی جاتی۔

منات: اس کا مندر قُدَید کے مقام پر تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر احمر کے کنارے ایک آبادی ہے۔ یثرب کے اوس و خزرج کے علاوہ بنو خزاعہ بھی اس کے بہت معتقد تھے۔ کعبہ کی طرح اس کا حج بھی کیا جاتا۔ قربانی کے جانور بھی اس کے لیے ذبح کیے جاتے۔ حج کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ اس کا حج کرنا چاہتے وہ وہیں سے لبیک لبیک کے نعرے لگاتے ہوئے قُدَید کی طرف چل پڑتے۔

اگرچہ ان بتوں کے مخصوص مندر مختلف مقامات پر تھے جس طرح آپ پڑھ آئے ہیں، لیکن ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ انہی ناموں کے بُت کعبے میں بھی رکھے ہوئے تھے اور دوسرے بتوں کے ساتھ ان کی وہاں بھی پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔ علامہ ابو حیان اندلسی نے بحر محیط میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اُحد کے میدان میں ابو سفیان نے بڑے فخر و ناز سے کہا تھا لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم کہ ہمارے لیے تو عزیٰ دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔ نیز افرأیتم میں خطاب کی ضمیر کا مرجع قریش مکہ ہیں۔

قال ابو عبيدة كانت بالكعبة ايضا واستظهر ابو حيان انها ثلاثتها كانت فيها. قال: لان المخاطب فى قوله افرأيتم قريش. (روح المعانی)

ان بتوں کی پوجا کرنے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بُت جنیات کا مسکن ہیں اور یہ جنیات بھی اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ بُت فرشتوں کے ہیکل ہیں اور یہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ

الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾

تیسری ہے۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے ۲۱

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے

(من ذالک)

ان باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھنے کی کوشش کیجیے:

پہلا کلمہ افرأیتم ہے۔ اس پر غور کیجیے۔ ہمزہ استفہام انکار کے لیے ہے۔ فا تعقیب کے لیے ہے۔

فالمعنی اعقیب ماسمعتم من آثار کمال عظمۃ اللہ فی ملکہ وملکوتہ وجلالہ وجبروتہ واحکام قدرتہ ونفاذ امرہ فی الملأ الاعلیٰ وتحت الثریٰ ومابینھما رأیتم ھذہ الاصنام مع غایۃ حقارتھا بنات لہ تعالیٰ (روح المعانی وغیرہ)

یعنی ملک اور ملکوت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے جلال وجبروت، اس کی محکم قدرت اور آسمان وزمین میں اس کے احکام کی تنفیذ کے آثار دیکھنے سننے کے بعد بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حقیر و ذلیل بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ تم خود سوچو اس سے بڑھ کر کوئی حماقت اور نادانی ہو سکتی ہے۔

بعض کتب تفسیر میں یہاں ایک روایت لکھ دی گئی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں کفار کے مجمع کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی تو اس آیت کے بعد حضور کی زبان سے یہ جملہ نکلا (العیاذ باللہ)

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ۔

یہ جملہ سن کر مشرکین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ روایت سراسر لغو، باطل، موضوع اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث ضیاء القرآن سورۃ الحج کی آیت ۵۲ کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۱ مشرکین کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری حماقت کی بھی کوئی حد ہے۔ اپنے لیے تو تم لڑکے پسند کرتے ہو کسی کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور جو خالق کائنات ہے جسے نہ بیٹے بیٹیوں کی ضرورت ہے نہ خواہش ہے جو بے نیاز اور برتر ہے اس کے لیے نری بیٹیاں ہی تجویز کرتے ہو۔

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى: نحو ولغت کے امام الکسائی لفظ ضیزیٰ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یقال ضاز یضیز ضیزا وضاز یضوز ضوزا وضأز یضأز ضأزا اذا ظلم وتعدی وبخس انتقص قال امرؤ القیس ؎

ضازت بنو اسد بحکمھم اذ یجعلون الراس کالذنب

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ

ان کے بارے میں کوئی سند ۲۲ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں ۲۳

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾

حالانکہ آگئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت ۲۴ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔

یہ مادہ تین باب پر آتا ہے ضَرَبَ، یَضْرِبُ، نَصَرَ، یَنْصُرُ اور مہموز العین۔ اس کا معنی ہے ظلم کرنا، زیادتی کرنا، کسی کے حصہ میں کمی کرنا۔ امرؤالقیس کہتا ہے: "جو اسد نے اپنا فیصلہ کرتے ہوئے بڑی زیادتی کی ہے کہ انہوں نے سر کو دُم کی مانند بنا دیا ہے۔" (قرطبی)

ضیزیٰ کا اصلی وزن فُعْلٰی ہے مثل طُوبٰی اور حُبْلٰی، لیکن یٰ کی وجہ سے اس کے ماقبل کو کسرہ دے دیا۔

یعنی تمہاری یہ تقسیم عدل و انصاف سے دُور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ عقل و خرد بھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تم بڑے دانا اور زیرک ہو، بڑے عادل اور منصف ہو، لیکن تمہاری زبان سے باتیں ایسی نکلتی ہیں جن کو سن کر فکرِ سلیم سر پیٹ لیتی ہے اور عقل رو پڑتی ہے۔

۲۲ یہ دیویاں، یہ دیوتا جن کو تم اپنا معبود اور مسجودِ یقین کیے ہو، ان میں الوہیت کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بغیر کسی معقول دلیل کے تجویز کیے ہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی سند موجود ہے تو ہمیں بھی دکھاؤ۔

۲۳ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی نوشتہ ہے جس سے معلوم ہو کہ ان پتھر کے اصنام میں الوہیت کی ادنیٰ سی کوئی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ نہ عقلِ سلیم اس کو ماننے کے لیے تیار ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، ان بتوں کو اپنا خدا بنائے جو ان کے کسی کاریگر نے کسی دھات سے ان کی آنکھوں کے سامنے گھڑے ہیں یا کسی ماہر سنگتراش نے کسی پتھر سے تراشے ہیں جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چل پھر سکتے ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کفار جو دنیا کے معاملات میں بڑے زیرک ہیں، کیوں ایسا کرتے ہیں۔ بتا دیا کہ یہ سب کچھ ان کے ظن و تخمین کی گل کاریاں ہیں اور ان کے نفوس کی خواہشات ہیں جن کی وہ پیروی کر رہے ہیں۔ ایسی چیزوں کو معبود ماننے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں جو کچھ نذر و نیاز لے کر ان کے خیال کے مطابق ان کی مصیبتوں کو ٹال دیں اور اگر بفرضِ محال قیامت قائم ہو جائے تو ان کی شفاعت کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ ایسے خداؤں کو وہ ماننے کے لیے تیار ہیں اور ان کے لیے قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن ایسے خدا کو ماننا جو احکام صادر کرے، ایسے احکام جو ان کے دنیاوی مفاد کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں، ایسے احکام جو اُن کی بساطِ عیش و طرب کو اُلٹنے کا موجب بن سکتے ہیں، جو ان کی آزادی پر قدغن لگا دیتے ہیں، ایسے خدا کی خدائی وہ تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

حقیقت میں وہ ان بتوں کے پجاری نہیں، بلکہ خواہشاتِ نفس کے پرستار ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہ توقع عبث ہے

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ

پس اللہ کے دستِ قدرت میں ہے آخرت اور دنیا ۲۵ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت

شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے ۲۶

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں۔

کہ وہ عقل و خرد سے صحیح کام لیں گے اور اللہ کے رسولوں کی دعوت کو غور سے سنیں گے۔

۲۴ یتبعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی اللہ کی طرف سے ان کی رہنمائی کے لیے ایسا رسولِ کامل تشریف لے آیا ہے جو اپنے نورانی ارشادات سے ان کے دلوں کی تاریک دنیا کو منور کر رہا ہے۔ ان کے پاس قرآن جیسی کامل کتاب بھی ہے، لیکن یہ بدنصیب اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے اور رذیل خواہشات کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔ آیت میں الھدیٰ سے مراد یا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

۲۵ آیت میں الانسان سے مراد یا تو کافر ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان کفار نے ان بتوں سے جو طرح طرح کی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں کہ یہ بت ان کو رزقِ وافر، اولادِ نرینہ دیں گے اور اگر بالفرض قیامت برپا ہوگئی تو وہ ان کو خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے۔ یہ محض فریب اور دھوکہ ہے ان کی یہ توقعات کبھی پوری نہیں ہوں گی۔ یا الانسان سے مراد عام انسان بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایسا نہیں ہوا کرتا کہ انسان جو چاہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے۔ کچھ امیدیں بر آتی ہیں اور کچھ پوری نہیں ہوتیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کے اذن سے ہو رہا ہے اور عالمِ آخرت میں جو کچھ ہوگا اس کے حکم سے ہوگا۔ دونوں جہانوں کی بادشاہی اسی کے لیے مخصوص ہے۔

۲۶ کفار کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی یہ دیویاں اور دیوتا قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے اور عذابِ جہنم سے انہیں بچا لیں گے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان بے چارے بتوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے کہ وہ ہماری جناب میں ان مشرکوں کی شفاعت کے لیے لب کشائی کی جرأت کر سکیں۔ فرشتے جو نورانی مخلوق ہیں اور ہر وقت ہماری عبادت اور اطاعت میں مشغول رہتے ہیں، ان کی بھی یہ مجال نہیں کہ جس کی چاہیں خود بخود شفاعت کریں اور اس کو بخشوا کر جنت میں پہنچا دیں، بلکہ فرشتے بھی اس وقت شفاعت کریں گے جب ہم انہیں اس

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ

حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں ۲۷ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام

مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا

نہیں آسکتا ۲۸ پس آپ رُخ انور پھیر لیجیے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ

مگر دنیوی زندگی کی ۲۹ یہ ہے ان کا مبلغ علم ۳۰ بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے جو

کی اجازت دیں گے اور فقط ان کے لیے شفاعت کریں گے جو شفاعت کے اہل ہوں۔ جن بدبختوں کی موت کفر پر ہوگی وہ تو اس قابل ہی نہیں کہ ان کی شفاعت کی جائے۔ شفاعت تو گناہ گار اہل ایمان کے لیے ہے۔ جب فرشتے بھی کفر و شرک پر مرنے والوں کی شفاعت نہیں کر سکتے تو یہ بُت تمہاری نجات کا سبب کیونکر بن سکتے ہیں؟

۲۷ جو لوگ فرشتوں کو مونث خیال کرتے ہیں اور انہیں خدا کی بیٹیاں بنائے ہوئے ہیں اور اس لیے ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہیں اور ان سے طرح طرح کی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں ان کی ان لغزشوں اور غلطیوں کا ایک ہی سبب ہے کہ وہ قیامت کے وقوع پر ایمان نہیں رکھتے، اس لیے ان میں ذمہ داری کا احساس بالکل ختم ہو گیا ہے۔ کسی چیز کو مانتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اسے ماننے کی کوئی ٹھوس دلیل ہے یا اگر کسی چیز کا انکار کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ کسی اللہ کے نبی نے انہیں انکار کا حکم دیا ہے یا ان کی عقل سلیم نے اس کے انکار کا فیصلہ کیا ہے، بلکہ جب ترنگ میں آئے کسی چیز کو مان لیا اور جب چاہا کسی چیز کا انکار کر دیا۔ احساس ذمہ داری کا چراغ جب سے بجھا ہے انہوں نے عقل و خرد سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر کسی دلیل اور تحقیق کے انہوں نے فرشتوں کو مونث بنا ڈالا ہے اور پھر ان پر خدا کی بیٹیاں ہونے کی تہمت لگا دی ہے۔

۲۸ حقیقی علم کا سرچشمہ تو نبی کی ذات ہوتی ہے جسے بارگاہ الٰہی سے براہ راست علم و عرفان کی دولت عطا فرمائی جاتی ہے۔ نبی کی ذات سے تو انہیں بَیر ہے۔ وحی کے چشمۂ صافی سے سیراب ہونے کی تو انہیں توفیق ہی نہیں۔ ان کے پاس لے دے کے ظن و تخمین کے گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر وہ وہم و گمان کے ریگزاروں میں خاک اڑاتے پھرتے ہیں، اس لیے زندگی کی بنیادی سچائیوں تک یہ رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور بھاگ دوڑ میں عمر برباد کر دیتے ہیں اور انہیں حقیقت کا سراغ نہیں ملتا۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کے طائر فکر کی پرواز بڑی اونچی ہے۔ ان کی جھولی سچے موتیوں سے بھری ہوئی ہے، حالانکہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

بیشک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہِ راست پائی ۳۱ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۲﴾ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا

ان کی نیکیوں کا ۳۲ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر

۲۹ آیت میں ذکر سے مراد قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے۔ حضور کے مواعظِ حسنہ اور نصائح جلیلہ بھی اور مطلق ذکرِ الٰہی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ جن کے سامنے ہماری کتاب کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں، لیکن وہ ان کی طرف التفات نہیں کرتے۔ میرا رسول انہیں وعظ و نصیحت کرتا ہے تو اس کے سننے کے لیے بھی وہ تیار نہیں ہوتے یا جہاں میرے بندے میرے ذکر کی شمع روشن کیے بیٹھے ہوتے ہیں، وہاں سے بھی وہ دُور بھاگتے ہیں۔ نیز دنیوی زندگی کی لذتوں اور زیب و آرائش میں وہ یوں کھوئے ہوئے ہیں کہ عاقبت کے بارے میں انہوں نے غور و فکر کرنے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی۔ رات دن دولت سمیٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اے حبیب! اس قماش کے لوگ ہرگز اس لائق نہیں کہ آپ ان کے لیے متفکر ہوں۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیجیے۔ انہیں بادیۂ ضلالت میں دھکے کھانے دیجیے۔ اگر قعرِ مذلت میں چھلانگ لگانے کا یہ لوگ قصد کر چکے ہیں تو انہیں مت روکیے۔ جب اپنے کرتوتوں کا ذائقہ چکھیں گے تو خود بخود ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

۳۰ ان کے علم کی رسائی یہاں تک ہی ہے۔ ان کی عقل کی آنکھ دنیوی لذتوں سے ماورا کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتے۔ ان دُوں ہمتوں اور کم نظروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔

۳۱ جو لوگ کفر و شرک کے مرتکب ہیں اور اس کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی راہِ حق پر گامزن ہیں، جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہی درست ہے، جس منزل پر وہ پہنچنے کے لیے کوشاں ہیں، انسانی زندگی کی صحیح منزل وہی ہے اور جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کر لی ہے، انہیں مارا پیٹا جاتا ہے۔ طرح طرح کے دُکھ پہنچائے جاتے ہیں، لیکن اے حبیب! وہ تیرا دامن چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ ان اہلِ حق کو یہ لوگ نادان اور گم کردہ راہ سمجھتے ہیں۔ یہ سراسر ان کی زیادتی ہے اور ان کی بھول ہے۔ کون گمراہ ہے، کون ہدایت یافتہ ہے، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا جو سب سے زیادہ علم والا ہے اور اسی کا فیصلہ صحیح اور آخری ہوگا۔

۳۲ وہ ذاتِ پاک جو گمراہ اور ہدایت یافتہ کو جانتی ہے، جس کی بادشاہی کا پرچم آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں میں لہرا رہا ہے، اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدکاروں کو ان کی بدکاریوں کی سزا دے اور نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں

اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ

شاذ و نادر۔ بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے ۳۳ وہ (اس وقت سے) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے

کی جزا دے۔

۳۳ یہ آیت الذین احسنوا کا بدل ہے یا عطفِ بیان ہے یا صفت ہے۔ یہاں مضارع کا صیغہ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ اجتناب کے تجدد اور استمرار پر دلالت کرے۔ وہ ہمیشہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔

گناہِ کبیرہ اور فاحشہ کے مفہوم کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں:

کبائر الاثم سے مراد شرک ہے کیونکہ یہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا اور گھناؤنا گناہ ہے اور فاحشہ سے مراد زنا ہے جو بے حیائی کی انتہا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں ہر گناہ جس کی سزا آتشِ جہنم ہے وہ کبیرہ ہے اور جس کی سزا کوئی شرعی حد ہے وہ فاحشہ ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ صحیحین کی اس حدیث سے بھی آپ کے ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے:

اجتنبوا السبع الموبقات الاشراك بالله تعالیٰ والسحر وقتل النفس التی حرم الله تعالیٰ الا بالحق واکل مال الیتیم واکل الربٰو والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات۔

ترجمہ: سات برباد کرنے والی چیزوں سے اجتناب کیا کرو۔ شرک باللہ، جادو، قتلِ بے گناہ، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدانِ جنگ سے بھاگنا، پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

گناہِ کبیرہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ کسی میں ان کی تعداد پانچ، کسی میں سات، کسی میں چودہ اور کسی میں پچیس مذکور ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جس سے کتاب و سنت کی صریح نص سے منع کیا گیا ہو یا اس کے لیے کوئی حدِ شرعی مقرر ہو یا جس کی سزا جہنم بتائی گئی ہو یا جس کے مرتکب کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہو یا جس پر عذاب کے نزول کی خبر دی گئی ہو ایسی تمام باتیں کبیرہ گناہ ہیں۔ ان کے علاوہ جو دوسرے گناہ ہیں انہیں گناہِ صغیرہ کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ گناہِ صغیرہ پر اصرار اور شریعت کے کسی فرمان کا استخفاف اور تحقیر کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔

اللمم کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: اللمم مقاربة المعصية ويعبر به عن الصغيرة ويقال فلان يفعل كذا المما اى حينا بعد حين (مفردات)

یعنی معصیت کے قریب ہونے کو لمم کہتے ہیں۔ گناہِ صغیرہ کو بھی لمم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز جو کام گاہے گاہے کیا جائے اس کو بھی لمم کہتے ہیں۔

قال ابو اسحٰق الزجاج: اصل اللمم والالمام ما يعمله الانسان المرة بعد المرة ولا يتعمق فيه ولا يقيم عليه يقال

الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ

پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ

وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے ۳۴ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی ۳۵ اور تھوڑا سا مال دیا پھر

المت به اذا زرته وانصرفت عنه (قرطبی)

یعنی زجاج کہتے ہیں کہ لمم اور المام اس کام کو کہتے ہیں جو کبھی کبھی کیا جائے اور اس میں تعمق نہ کیا جائے اور اس میں ہمیشگی نہ کی جائے۔ جب تو کسی آدمی کی ملاقات کے لیے جائے اور مل کر فوراً واپس چلا جائے تو کہتے ہیں المت به۔

عرب شاعر کا ایک شعر بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے:

المت فحیت ثم قامت فودعت　　فلما تولت کادت النفس تزهق

ترجمہ: وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی، اس نے سلام کیا، پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے الوداع کہا۔ جب اس نے پیٹھ پھیری تو قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے۔

آیت کے ان کلمات کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے گریزاں رہتے ہیں، بے حیائی کے کاموں سے دور بھاگتے ہیں، الا یہ کہ کبھی کبھی ان سے کوئی غلطی صادر ہو جاتی ہے تو فوراً اس سے دامن کش ہو جاتے ہیں۔ اے محبوب! آپ کا رب انہیں اپنی مغفرت کے وسیع دامن میں پناہ دے گا بے شک آپ کے رب کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔

۳۴ بعض کم ظرف لوگ اپنی نیکیوں پر اترانے لگتے ہیں، اپنی پارسائی اور پرہیزگاری کے قصے جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ یہ خودنمائی اور خودستائی ان کے سارے اعمالِ حسنہ کا بیڑا غرق کر دے گی، اس لیے منع فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں پر اپنے تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کی عادت ترک کر دو، کیونکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے جو تمہارے ظاہر اور باطن کو خوب جانتا ہے۔ صرف آج سے ہی نہیں، بلکہ اس وقت سے جب تمہارا نطفہ رحمِ مادر میں قرار پانے کے بعد اپنی تکمیل کے مرحلے طے کر رہا تھا، بلکہ اس سے بھی ہزاروں سال پہلے جب تمہارے باپ آدم کا خمیر مٹی سے تیار کیا جا رہا تھا اور تمہارا ہیولیٰ اس کی پشت میں ودیعت کیا جا رہا تھا۔ جو خدا تمہیں ابتدائے آفرینش سے جانتا ہے اس کے سامنے شیخی بگھارنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ وہ خود جانتا ہے کہ تم میں سے متقی اور پرہیزگار کون ہے اور فسق و فجور کی آلائشوں سے کون آلودہ ہے۔ تمہارے بتانے کی اسے حاجت نہیں۔ اگر وہ تمہاری لغزشوں پر فوری گرفت نہیں کرتا یا تمہارے جرائم کا پردہ فاش نہیں کرتا تو یہ محض اس کا لطف و کرم ہے۔ اس میں تمہاری پاکبازی کا کوئی دخل نہیں۔

۳۵ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید ابن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ولید حضور علیہ الصلوٰۃ

اَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ

کنجوس بن گیا ۳۶ کیا اس کے پاس علمِ غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے ۳۷ کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو

والسلام کی خدمت عالیہ میں اکثر حاضر ہوتا اور آیات قرآنی سنا کرتا جنہیں سن کر وہ بے اختیار کہہ اٹھتا کہ بخدا یہ کلام بڑا سرسبز ہے اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ اس کی رونق و شگفتگی دل موہ لینے والی ہے۔ نہ یہ جادو ہے اور نہ شعر۔

اس کے احباب اور رشتہ داروں کو جب ان باتوں کا پتہ چلا تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں وہ اسلام قبول کرنے کا برملا اعلان نہ کر دے، چنانچہ اس کا ایک بے تکلف دوست اس کے پاس آیا اور اسے بڑی لعنت ملامت کی کہ تم اپنے آباء و اجداد اور اپنے بڑوں کے مذہب کو چھوڑ رہے ہو اور ایک نیا دین اختیار کر رہے ہو۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے عذابِ قیامت سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اس دوست نے کہا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اتنا مال مجھے دے دو تو قیامت کے روز میں تمہارے حصے کا عذاب بھی اپنے سر پر اٹھا لوں گا، چنانچہ ولید نے اسلام لانے کا ارادہ ترک کر دیا اور جس مال کا وعدہ اس ضامن سے کیا تھا اس میں سے کچھ تو اسے دے دیا بقیہ دینے سے مکر گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم کو فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے حق قبول کرنے سے منہ پھیر لیا۔ پھر اپنے ضامن کو پورا معاوضہ بھی نہ دیا۔ یہ شخص کتنا احمق ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ روزِ حساب کوئی شخص اس کے حصے کا عذاب برداشت کرے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ کتنا بڑا بخیل ہے کہ جتنا مال دے کر اپنی جان بخشی کروانے کا اس نے سودا کیا تھا وہ بھی اس نے پورا ادا نہیں کیا۔ حماقت اور بخل دونوں عیب اس میں پائے جاتے ہیں۔

۳۶ اَكْدٰى، علامہ راغب لکھتے ہیں الکدیۃ صلابۃ فی الارض یقال حفر فاکدیٰ اذا وصل الی کدیۃ و استعیر ذلک للطالب المخفق والمعطی المقل (مفردات)

ترجمہ: زمین کھودتے ہوئے اگر پتھریلی تہہ آجائے تو عرب کہتے ہیں حَفَرَ فَاَكْدٰى اس نے زمین کھودی اور نیچے سے چٹان نکل آئی۔ بطور استعارہ ناکام طلبگار اور تھوڑا دینے والے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں، اکدیٰ: بخل او قل خیرہ او قل عطاءہ۔ بخل کرنا کسی کی بھلائی کا کم ہونا، کسی کی عطا کا قلیل ہونا۔ المنجد میں ہے اکدیٰ اکداءً: بخل فی العطاء: اس نے دینے میں بخل سے کام لیا۔

۳۷ یعنی اس نے جو یہ خیال کر لیا کہ فلاں شخص قیامت کے روز اتنی رقم کے بدلے میں اس کا عذاب اپنے سر لے لے گا۔ کیا اس کے پاس غیب کا ایسا علم ہے جس کے باعث اس کو اپنی اس سودا بازی کے درست ہونے کا یقین ہو گیا ہے۔

صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے ۳۸ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں

اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ

اٹھائے گا ۳۹ اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے ۴۰ اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد

۳۸ اگر اس نے سابقہ آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے اپنی اس غلط اندیشی کا علم ہو جاتا۔ صحف، صحیفہ کی جمع ہے۔ صحف موسیٰ سے مراد تورات ہے جو متعدد اسفار پر مشتمل ہے۔ یہ محرف شکل میں آج بھی موجود ہے۔ صحف ابراہیم سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ اس کے اہم مضامین کے بارے میں قرآن کریم نے ہی کچھ بتایا ہے۔ صحف ابراہیم کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر آیا ہے۔ ایک اس مقام پر، دوسری مرتبہ سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت میں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صحیفے نازل ہوئے تھے۔ ان دو مقامات پر ان تعلیمات کا اشارتاً ذکر کر دیا جو ان میں مندرج تھیں۔

۳۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یہ قانون رائج تھا کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کرتا تو قاتل کی سزا اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کے بھائی اور اس کی بیوی یا اس کے غلام کو بھی دی جاتی۔ ان میں سے کسی کو پکڑ کر قتل کر دیا جاتا۔

قال البغوی عن عکرمۃ عن ابن عباس قال کانوا قبل ابراھیم علیہ السلام یاخذون الرجل بذنب غیرہ وکان الرجل یقتل بقتل ابیہ وابنہ واخیہ وامرأتہ وعبدہ۔

جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا:

الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ یوں اس ظالمانہ قانون کا قلع قمع ہوا۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ کسی سابق رسول کی شریعت کا یہ مسئلہ تھا، بلکہ یہ ان کے دور جاہلیت کا ایک رواج تھا جو صدیوں سے ان میں چلا آ رہا تھا اور کبھی کسی نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کی تھی۔ بعینہٖ اس طرح جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی غریب قبیلے کا غلام یا عورت طاقت ور قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتی تو طاقت ور قبیلہ بطور قصاص اس قاتل غلام یا عورت کو قتل کر کے مطمئن نہ ہوتا، بلکہ عورت کے بجائے ان کے کسی مرد اور غلام کے بجائے ان کے کسی آزاد مرد کو قتل کیا جاتا۔ الحر بالحر والعبد بالعبد الآیہ۔ نازل ہوئی تو جہالت کے اس ظالمانہ دستور کا خاتمہ ہوا۔

بظاہر بعض آیتیں اور حدیثیں اس آیت سے متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ۔ اخرجہ احمد ومسلم من حدیث جریر ابن عبداللہ۔

یعنی امام احمد اور مسلم نے جریر بن عبداللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص بُرا طریقہ رائج کرتا ہے اس پر اس کا بوجھ بھی لادا جائے گا اور قیامت تک جو لوگ اس طریقے کو اختیار کریں گے، ان کا بوجھ بھی اس پر لادا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے گناہ کا بوجھ بھی کسی پر لاد دیا جاتا ہے، حالانکہ آیت اس کی نفی کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ یہ شخص قیامت تک آنے والے بدکاروں کی بدکاری کا سبب بنا ہے، اس لیے وہ ان بدکاریوں میں شریک ہے۔ اسی کی سزا اسے ملے گی۔ یہ نہیں کہ ان بدکاروں کو کوئی سزا نہ دی جائے گی اور ان سب کی سزا اس شخص کو دی جائے گی۔

دوسری حدیث ہے جس کے راوی ابن عمر ہیں: اذا انزل اللہ بقوم عذابا اصاب العذاب من کان فیہ ثم بعثوا علی اعمالھم (متفق علیہ)

یعنی جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرتا ہے تو اس قوم کے تمام افراد (نیک و بد) اس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں پھر قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ عذاب ان لوگوں پر بھی نازل ہوتا ہے جو مجرم نہیں ہوتے، حالانکہ آیت اس کی تردید کرتی ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے جو لوگ ان جرائم کا ارتکاب نہیں کیا کرتے تھے، لیکن مجرموں کو منع بھی نہیں کرتے تھے بلکہ خاموشی سے ان گناہوں کو دیکھتے رہتے تھے، ان کی یہ خاموشی ان کا گناہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس عذاب میں مبتلا کیے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث جو سنن اربعہ میں مروی ہے اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھتے ہیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو ان پر بھی عذاب نازل ہوگا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب انسان فوت ہوتا ہے اور اس کے رشتہ دار ماتم کرتے ہیں تو ان کے ماتم کرنے کے گناہ کا عذاب اس میت کو دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی اس آیت کے منافی ہے۔ اس کے بارے میں علما فرماتے ہیں کہ میت کو اس وقت عذاب ہوگا جب یا تو وہ وصیت کر جائے کہ مجھ پر ماتم کرنا یا اسے معلوم تھا کہ اس کے گھر والے اس کے مرنے پر ماتم کریں گے اور اس نے ان کو منع نہیں کیا۔ اب یہ عذاب اس کے اپنے گناہ کا ہوگا۔

بہر حال اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں جو یہ حکم نازل ہوا تھا وہ شریعتِ محمدیہ میں بھی باقی ہے۔ کسی کے گناہ کے بدلے میں کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جائے گی۔ ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔

۴۰ یہ حکم صحفِ موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام میں بھی موجود تھا اور شریعتِ اسلامیہ میں بھی یہ قانون باقی ہے، لیکن بعض کج فہموں نے اس آیت کو ایسے معانی پہنائے ہیں جن سے متعدد دوسری آیات کی تردید اور تکذیب ہوتی ہے، اس لیے ہمیں بڑے اطمینان سے ان باطل معانی کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ یہ طریقہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں کہ ایک آیت کی ایسی من مانی تشریح کی جائے جس سے متعدد آیات کی تغلیط ہوتی ہو۔

اشتراکی ذہنیت رکھنے والے جو محنت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں

کہ ہر انسان صرف اسی چیز کا حقدار ہے جو اس نے اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کی ہو اور اپنے اس نظریے کو قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیں ان سے کسی بحث کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق جس نظریے کو چاہے اپنائے۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن اپنے من گھڑت نظریات کو قرآن کی طرف منسوب کرنا ایک ایسی زیادتی ہے جس پر خاموش رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہم ان صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم کی متعدد آیات میں میراث کے احکام مذکور نہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد اولاد کو جو جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ ورثہ میں ملتی ہے کیا اس میں ان کی محنت اور کوشش کا کوئی دخل تھا۔ ایسی جائیداد کا قرآن نے انہیں کامل مالک ٹھہرایا ہے، خصوصاً بچیاں یا شیر خوار بچے جنہوں نے کسی طرح بھی اس جائیداد کے بنانے میں کوئی حصہ نہیں لیا، وہ بھی وارث ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ، صدقات جب کوئی شخص کسی مستحق کو دیتا ہے تو مستحق اس کا کامل مالک بن جاتا ہے۔ اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، حالانکہ اس نے اس مال کے کمانے میں ایک قدم تک نہیں اٹھایا۔ آیت کا یہ خود ساختہ مفہوم اختیار کر کے کیا یہ لوگ ان صدہا آیات پر قلم تنسیخ پھیر دیں گے جن میں میراث، وصیت، زکوٰۃ، صدقات اور ہبہ کے احکام مذکور ہیں۔

ان اشتراکی اذہان کے علاوہ ایک اور فرقہ گزرا ہے جو تاریخ اسلام میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کسی کے عمل کا ثواب کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کو انہی اعمال کا اجر ملے گا جو اس نے خود کیے ہیں، کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کسی کا عمل کسی کے لیے نفع بخش نہیں ہے تو قرآن کریم کی متعدد آیات میں مسلمانوں کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور متعدد آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتے مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کئی ایسی آیتیں ہیں جن میں انبیائے کرام نے اپنے والدین، اپنی اولاد اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش کی دعائیں مانگی ہیں۔ اگر استغفار اور دعاؤں کا میت کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تو پھر ان لاحاصل کاموں میں انبیاء اور ملائکہ کیوں وقت ضائع کرتے رہے اور ہمیں مسلمان بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کا کیوں حکم دیا گیا ہے۔ ساری امت مسلمہ نماز جنازہ ادا کرتی ہے۔ اس میں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ یہ نماز جنازہ بھی دعائے مغفرت ہے۔ اگر یہ بے سود اور لاحاصل ہے تو اس تکلف کو بجالانے کا اسلام نے کیوں حکم دیا۔ معتزلہ کے اس مفہوم کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قرآن کریم کی کثیر التعداد آیتیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں، اس لیے امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ ہم اپنے اعمال کا ثواب اپنے والدین اور دوسرے مومنین کو پہنچا سکتے ہیں اور اس سے انہیں فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اصولی طور پر تو تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے جس کا خلاصہ پیش نظر ہے:

عبادات کی کئی قسمیں ہیں۔ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن۔ خالص مالی عبادات جیسے صدقات وغیرہ۔ مالی اور بدنی عبادات کا مرکب جیسے حج وغیرہ۔

امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا، البتہ عبادات کی دوسری دو قسموں کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے، لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا

ہے خواہ اس نیک عمل کا تعلق عبادت کی کسی قسم سے ہو نماز، روزہ، تلاوت قرآن، ذکر، صدقہ، حج، عمرہ جو نیک عمل بھی وہ کرے اس کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کر سکتا ہے الٰہی اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا۔ اس بارے میں اتنی کثرت سے صحیح احادیث موجود ہیں کہ کوئی مسلمان ان کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہاں ہم ان میں سے چند احادیث ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

۱۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ وعلم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ (رواہ مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، بجز تین اعمال کے کہ ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

پہلے دو کام تو ایسے ہیں جن میں اس شخص کا بھی کچھ عمل دخل ہے، لیکن لڑکے کی دعا لڑکے کا اپنا فعل ہے۔ اس سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیرفع الدرجۃ للعبد الصالح فی الجنۃ ویقول یارب انّٰی لی ھٰذہ فیقول باستغفار ولدک لک (رواہ طبرانی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں کسی عبد صالح کے درجے کو بلند فرما دیتا ہے۔ وہ بندہ پوچھتا ہے یارب! میرا درجہ کیسے بلند ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے لڑکے نے تیرے لیے استغفار کی، اس کی برکت سے تیرا درجہ بلند ہوا۔

۳۔ عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی قبرہ الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ ملحقۃ من اب وام او ولد او صدیق ثقۃ واذا الحقتہ کانت احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ لیدخل علی القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم (رواہ بیہقی والدیلمی)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر رہا ہوتا ہے اور اس چیز کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کے باپ، اس کی ماں یا لڑکے یا باوفا دوست کی دعا اسے پہنچے اور جب وہ دعا اسے پہنچتی ہے تو اس کی قدر و منزلت اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کی برکت سے قبروں پر رحمت کے پہاڑ بھیجتا ہے اور مرے ہوؤں کے لیے دوستوں کا تحفہ یہ ہے کہ وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں۔

۴۔ عن عائشۃ ان رجلا قال یارسول اللہ ان امی افتلتت نفسھا ولم توص واظنھا لو تکلمت تصدقت فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم (متفق علیہ)

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور کوئی وصیت نہ کر سکی۔ میرا خیال ہے اگر اسے

بولنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اس کا اجر ملے گا۔ حضور نے فرمایا بے شک!

۵۔ عن ابن عباس ان سعد بن عبادہ توفیت امہ وھو غائب فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ان امی ماتت وانا غائب فھل ینفعھا ان تصدقت عنھا قال نعم وقال انی اشھدک ان حائطی صدقۃ عنھا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سعد ابن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی تو آپ موجود نہ تھے جب واپس آئے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی یارسول اللہ! میری والدہ نے میری غیر حاضری میں وفات پائی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے کوئی نفع پہنچے گا تو حضور نے فرمایا ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کی حضور آپ گواہ رہیں میں نے اپنا باغ اس کی طرف سے صدقہ کیا۔

۶۔ عن انس سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من اھل بیت یموت منھم ویتصدقون عنہ بعد موتہ الا اھدیٰ لہ جبرائیل علی طبق من نور ثم یقف علی شفیر القبر فیقول یا صاحب القبر العمیق ھذہ ھدیۃ اھداھا الیک اھلک فاقبلھا فیدخل علیہ فیفرح بھا فیستبشر ویحزن جیرانہ الذین لا یھدی الیھم شیئ (رواہ طبرانی فی الاوسط)

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی گھر سے فوت ہوتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبرئیل امین نور کے تھال پر اسے رکھتے ہیں، پھر اس کی قبر کے دہانے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں اے گہری قبر کے رہنے والے! یہ ہدیہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیری طرف بھیجا ہے تو اسے قبول کر۔ اس کی خوشی اور مسرت کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے پڑوسی جن کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا جاتا، وہ بڑے غمناک ہوتے ہیں۔

۷۔ عن انس قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ابی مات ولم یحج حجۃ الاسلام فقال ارأیت لو کان علی ابیک دین کنت تقضیہ عنہ قال نعم قال فانہ دین علیہ۔ فاقضہ (رواہ بزار والطبرانی بسند حسن)

حضرت انس فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ہاں ادا کرتا۔ حضور نے فرمایا یہ حج بھی اس پر قرض ہے۔ اس کو ادا کرو۔

۸۔ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ من مر علی المقابر وقرأ قل ھو اللہ احد احد عشر مرۃ ووھب اجرہ للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات۔ (رواہ ابو محمد السمرقندی)

ابو محمد سمرقندی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ جو شخص قبرستان میں سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل شریف پڑھ کر اہل قبرستان کو بخشے تو جتنے لوگ وہاں دفن ہوں گے ان کی تعداد کے برابر اسے ثواب ملے گا۔

۹۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد والھاکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لاھل المقابر من المومنین والمومنات کانوا شفعاء لہ الی اللہ (رواہ ابوالقاسم سعد ابن علی)

ابوالقاسم سعد ابن علی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورہ فاتحہ، قل شریف اور الھاکم التکاثر پڑھے پھر یہ کہے کہ الٰہی میں نے تیرے کلام سے جو پڑھا ہے اس کا ثواب اس مقبرہ کے مومن مردوں اور عورتوں کو بخشتا ہوں، تو یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی شفاعت کریں گے۔

۱۰۔ عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقبرۃ فقرأ سورۃ یٰس خفف اللہ عنھم۔

(اخرجہ عبد العزیز صاحب الخلال بسندہ)

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہوتا ہے اور سورۃ یٰس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہلِ قبور پر تخفیف کر دیتا ہے۔

کثیر التعداد احادیث میں سے یہ چند مرفوع احادیث ہیں جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی اسی پر تعامل تھا۔

حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد آپ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن وفات پا گئے تو حضرت عائشہ نے ان کے لیے غلام آزاد کیا اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ وفات کے بعد یہ چیز انہیں نفع پہنچائے گی۔

مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وفات پانے والوں کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں قال الحافظ شمس الدین ابن عبد الواحد مازالوا فی کل مصر یجتمعون و یقرؤن لموتٰھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعًا۔

ترجمہ: حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد کہتے ہیں ہر شہر میں مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے فوت شدگان کے لیے قرآن کریم کی قرأت کرتے ہیں اور کبھی کسی عالم نے اس پر اعتراض نہیں کیا، گویا اس پر امت کا اجماع ہے۔

۱۱۔ اخرج الخلال عن الشعبی کانت الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ یقرؤن القرآن۔

امام شعبی سے مروی ہے کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہوتا تو وہ اس کی قبر پر جایا کرتے اور وہاں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔

۱۲۔ وفی الاحیاء عن احمد ابن حنبل قال اذا دخلتم من مقابر فاقرؤا بفاتحۃ الکتاب والمعوذتین وقل ھو اللہ احد واجعلوا ذلک لاھل المقابر فانہ یصل الیھم۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور تینوں آخری قل پڑھو، پھر اس کا ثواب

يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَ

نظر آجائے گا ۴۱ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۴۲ اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے ۴۳ اور

قبرستان والوں کو پہنچاؤ۔ وہ انہیں پہنچے گا۔

جب اس کثرت سے ایصالِ ثواب کے بارے میں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کا انکار کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا' لیکن آیت کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔

حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم۔

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی تو ہم (مدارج اور مراتب میں) ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملادیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد کی نیکیاں اولاد کے مراتب کو بلند کر دیتی ہیں۔ بعض نے اس آیت کی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہاں الانسان سے مراد کافر ہے کہ کفار کو کسی کی نیکیاں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں، لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو الجھن خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایصالِ ثواب سے صرف اس شخص کو نفع پہنچتا ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا ہو جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اسے قطعاً کوئی نفع نہیں پہنچتا، تو معلوم ہوا کہ یہ سارے اعمالِ صالحہ جن کا ثواب ایک مومن کو پہنچایا جا رہا ہے درحقیقت اس کے ایمان کے درخت کا پھل ہیں اور ایمان کا درخت اس شخص کی اپنی سعی کا نتیجہ ہے تو گویا یہ ساری چیزیں اس کی ذاتی کوشش میں شمار ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کے درخت کی اعمالِ صالحہ سے آبیاری کرتے رہتے ہیں اور گناہوں کی ژالہ باری سے اس کو بچائے رکھتے ہیں ان پر پھل بھی زیادہ لگتا ہے اور لوگ کثرت سے ان کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اولیائے کرام کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے والوں کا ہجوم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ان مقبول ترین بندوں نے ایمان کا جو درخت لگایا اور عمر بھر اپنے گریۂ سحری سے اسے سینچتے رہے اس کی بہار اور اس کا جوبن قابلِ دید ہے۔

ارشادِ ربانی ہے مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء توتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔

کہ کلمۂ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں پاتال تک چلی گئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ درخت ہر لحظہ پھل دے رہا ہے۔

اس مسئلہ کے دیگر مباحث ضیاء القرآن' سورہ النحل کی آیت ۱۱۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

(نوٹ: اس آیت کی تشریح میں ایصالِ ثواب کے بارے میں جو احادیث درج کی گئی ہیں اور جو آثار نقل کیے گئے ہیں وہ تفسیر مظہری سے ماخوذ ہیں۔)

۴۱ ہر انسان اپنی زندگی کے لمحات کو جن مقاصد کے لیے صرف کر رہا ہے اور اپنی ساری قوتیں اور توانائیاں ان کے

اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۙ وَاَنَّهٗ خَلَقَ

یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے ۴۴ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ اور یہ کہ اسی نے پیدا فرمائیں

حصول کے لیے وقف کیے ہوئے ہے، قیامت کے روز ان کی پوری طرح جانچ پڑتال کی جائے گی اور اس کے مقاصد اور اس کی نیت کے مطابق اس کی جد و جہد کے نتائج برآمد ہوں گے، اس لیے آج اپنے اعمال کا خود احتساب کیا کرو تاکہ قیامت کے روز تمہیں نادم اور شرمسار نہ ہونا پڑے۔

۴۲ ہر شخص کو اس کے اعمال اور اس کی مساعی کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اگر وہ زندگی بھر نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگا رہا۔ کبھی اپنے رب کی یاد اور عبادت کا اسے خیال نہ آیا تو اس کا بدلہ ملے گا اور جو شخص اپنے کریم پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لیے مصروف رہا۔ مصائب و آلام کی پروا کیے بغیر تسلیم و رضا کی راہ پر قدم بڑھاتا رہا تو اس کی جو پذیرائی ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

۴۳ ہر چیز کو روزِ محشر اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ کوئی شخص کہیں چھپ نہیں سکے گا اور کوئی شخص کہیں بھاگ کر روپوش نہیں ہو جائے گا۔

بعض حضرات نے اس کا دوسرا مفہوم بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منتہیٰ مصدر میمی ہے۔ اس کا معنی انتہا ہے یعنی فکرِ انسانی حقائق اشیاء کے میدان میں گرم سیر رہتا ہے، لیکن جب حرم ذات تک پہنچ جاتا ہے تو پھر رک جاتا ہے۔ اس سے آگے دم مارنے کی اسے مجال نہیں ہوتی۔

وقیل المعنی انہ عزوجل منتھی الافکار فلا تزال الافکار تسیر فی بید احقائق الاشیاء وماھیاتھا والاحاطۃ بما فیھا حتی اذا وجھت الی حرم ذات اللہ عزوجل وحقائق صفاتہ وقفت وحرنت وانتھی سیرھا۔

حضرت ابنِ عباس کی روایت اس قول کی تصدیق کرتی ہے:

قال مرالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی قوم یتفکرون فی اللہ فقال تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق فانکم لن تقدروہ۔ (ابنِ ماجہ)

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک روز ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ذاتِ الٰہی میں غور و فکر کر رہے تھے تو حضور نے انہیں ارشاد فرمایا مخلوق میں تو بے شک غور و فکر کیا کرو، لیکن ذاتِ خالق کو اپنی سوچ کا موضوع مت بناؤ کیونکہ یہ چیز تمہاری طاقت اور قدرت سے ماورا ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث منقول ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ فتھلکوا۔ (روح المعانی)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کی مخلوق میں تو غور و فکر کیا کرو، لیکن اس کی ذات میں فکر نہ کیا کرو، ورنہ

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ﴿٤٥﴾ مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ

دونوں قسمیں نر اور مادہ (وہ بھی) ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے۔ اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ

النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿٤٨﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ

ہے دوسری بار پیدا فرمانا ۴۵ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے ۴۶ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا

الشِّعْرَىٰ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿٥٠﴾ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ

رب ہے ۴۷ اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عادِ اوّل (قوم ہود) کو ۴۸ اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا۔ اور (ہلاک کیا) قوم

ہلاک ہو جاؤ گے۔

۴۴ چاہے تو کسی کو خوش کر کے ہنسا دے اور چاہے تو کسی کو غم و اندوہ میں مبتلا کر کے اسے رُلا دے۔ مسرتیں اور غم اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی کی بندگی کا قلادہ گلے میں ڈال کر اس کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ اس سے خوشی کی بھیک مانگو اور حزن و ملال سے اسی کی پناہ طلب کرو۔ اس کے در کو چھوڑ کر ادھر ادھر خوشیوں کی تلاش میں بھٹکتے پھرنا محض جہالت اور نادانی ہے۔

۴۵ موت و حیات بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ منی کی بوند ایک جیسی ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت سے کسی سے نر پیدا کرتا ہے اور کسی سے مادہ۔ جو خالق اتنی طاقت اور قوت کا مالک ہے اس کے لیے قطعاً یہ امر مشکل نہیں کہ وہ قیامت کے روز تمہارے بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کر کے ان میں نئی زندگی پھونک دے۔

۴۶ اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری شان بیان فرمائی جا رہی ہے۔ مال و دولت کے خزانے بھی اسی کے قبضے میں ہیں۔ چاہے تو کسی کو مالا مال کر دے اور اسے بے حساب رزق عطا فرمائے اور چاہے تو کسی کو مفلس اور کنگال کر دے، وہ پارۂ نان کے لیے ترستا رہے اور اسے وہ بھی نصیب نہ ہو۔ یہ اس کی حکمت کے کرشمے ہیں۔ ان میں جو اسرار پنہاں ہیں ان کی حقیقت سے وہی خوب واقف ہے۔ اقنیٰ کے کئی اور معانی بھی بتائے گئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کا وہی معنی یہاں زیادہ مناسب ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔

۴۷ ایک نہایت روشن ستارہ ہے جو جوزا کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ اس کو شعریٰ کہتے ہیں۔ شعریٰ نام کے دو ستارے ہیں ایک کو شعریٰ عبور اور دوسرے کو شعریٰ غمیصا کہتے ہیں۔ اساطیر عرب میں ہے کہ یہ دونوں سہیل ستارہ کی بہنیں ہیں۔ بعض عربی خرافات میں یوں مذکور ہے کہ سہیل اور شعریٰ دونوں میاں بیوی تھے۔ سہیل نیچے کی طرف ڈھل آیا اور یمانی ہو گیا۔ شعریٰ اس کی بیوی کہکشاں کو جو کر کے اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گئی، اس لیے اسے الشعریٰ العبور کہتے ہیں اور دوسری وہیں رک گئی اس لیے اس کو الشعریٰ الغمیصا کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام کلب الجبار بھی ہے کیونکہ یہ جوزاء جسے جبار کہا جاتا ہے اس کے پیچھے پیچھے کتے کی طرح چلتا ہے۔

نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ

نوح کو ان سب سے پہلے۔ وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی

اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا

پٹخ دیا ۴۹ پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا ۵۰ پس (اے سننے والے) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا ۵۱ یہ

اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام ستاروں کا رب ہے، لیکن اسے خصوصیت سے رب الشعریٰ کہا گیا ہے کیونکہ بقول سدی حمیر اور خزاعہ کے قبیلے اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے اس کی عبادت شروع کی اس کا نام ابو کبشہ ہے۔ عرب کے دوسرے قبائل اگرچہ اس کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے لیکن اس کی عزت و تکریم کرنے میں سب شریک تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ شئون کائنات میں یہ بہت موثر کردار ادا کرتا ہے۔

شعریٰ ستارے کے انگریزی میں کئی نام ہیں۔ اسے SIRIUS ، DOG STAR اور CANIS MAJORIS بھی کہا جاتا ہے انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں SIRIUS کے عنوان کے ضمن میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے: یہ ستارہ مجموعہ نجوم میں روشن ترین ستارہ ہے۔ سورج سے بھی اس کی روشنی اکیس گنا زیادہ ہے اور حجم میں بھی یہ سورج سے بڑا ہے۔ اس کی سطح کا درجۂ حرارت بھی کافی زیادہ ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ اعشاریہ چھ (۸.۶) نوری سال ہے۔ قدیم مصری اس کو بہت مقدس مانتے تھے کیونکہ یہ جس موسم میں طلوع ہوتا اس وقت دریائے نیل میں سیلاب کی آمد آمد ہوتی۔ تمام علاقہ سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتا۔ مصریوں کا عرصۂ دراز تک یہی عقیدہ رہا کہ شعریٰ ستارہ کے طلوع کے باعث مصر میں خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے اس لیے وہ اسے ہر قسم کی سرسبزیوں اور شادابیوں کا خالق یقین کرتے تھے اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۲۰)

ہو سکتا ہے کہ اہل عرب میں اس کی عبادت کا تصور مصر ہی سے آیا ہو۔

۴۸ عاد اُولیٰ سے مراد عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوحؑ کی اولاد ہے۔ اسے اُولیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کے بعد سب سے پہلے اس قبیلے پر عذاب نازل ہوا۔ ان کی طرف ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا لیکن جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زوردار جھکڑ بھیجا جس نے ان کو برباد کر کے رکھ دیا۔ ان میں سے فقط وہی لوگ بچے جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے۔ انہیں کی اولاد کو عاد الآخرہ کہا جاتا ہے۔

ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم نوح جب ان کی نافرمانیاں اور عصیاں شعاریاں انتہا کو پہنچ گئیں تو ان کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔

۴۹ اس سے مراد مدائن قوم لوط علیہ السلام ہیں جنہیں جڑوں سے اکھیڑ کر اوپر اٹھایا گیا اور اوندھا کر کے ان کو زمین پر دے مارا گیا۔ اس کا مادہ اِفْکٌ ہے۔ عرب کہتے ہیں افکتہ ای قلبتہ وصرفتہ یعنی میں نے کسی چیز کو اُلٹ پلٹ کر پھینک دیا۔ انفکت

نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ

ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے ۵۲ قریب آنے والی قریب آگئی ۵۳ اللہ کے سوا اس کو کوئی

اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَ

ظاہر کرنے والا نہیں ۵۴ بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو ۵۵ اور (بے شرموں کی طرح) ہنس رہے ہو اور

بھم ای انقلبت وصار عالیھا سافلھا۔

اَھْوٰی: ای خسف بھم بعد رفعھا: یعنی پہلے اٹھایا اور پھر زور سے اوندھا پھینک دیا تاکہ وہ زمین میں دھنس جائے۔

۵۰ قوم لوط کی بستیاں زمین میں دھنس گئیں اور بحر مردار کا پانی ان پر چھا گیا اور ان کو موجوں سے ڈھانپ لیا۔ ابھی تک بحر مردار کے پانی میں یہ بستیاں ڈوبی ہوئی ہیں۔ سمندر کا پانی ان پر چھایا ہوا ہے۔

۵۱ تتماری: تشکک وتجادل (مظہری) تتماری کے دو معنی ہیں۔ کسی چیز میں شک کرنا اور جھگڑا کرنا۔ سامعین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ عاد، ثمود، قوم نوح کیوں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دی گئیں۔ ان کا یہی تو جرم تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں میں شک کرتے تھے۔ انہیں یہ یقین نہ تھا کہ ان انعامات سے انہیں ان کے رب نے سرفراز کیا ہے، بلکہ وہ بتوں کو بھی اس میں شریک سمجھتے تھے اور جب ان کے انبیاء انہیں اس غلط فہمی سے نجات کا راستہ بتاتے تو یہ ان سے جھگڑتے۔ ان کو جھٹلاتے، ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے، ان کا مذاق اڑاتے۔ وہ اپنے کیے کی سزا پا گئے۔ اے سننے والے! کیا تو بھی یہی روش اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ایسے دردناک عذاب اور عبرت ناک انجام کے لیے تمہیں بھی تیار ہو جانا چاہیے۔

جن انبیاء اور اقوام کا یہاں ذکر ہوا ہے ان سب کا تعلق ابراہیم علیہ السلام کے ماقبل زمانے سے ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہاں تک جو مضامین بیان ہوئے ہیں وہ صحف ابراہیم میں ہوں اور انہیں ہی یہاں ذکر کر دیا گیا ہو، کیونکہ ان میں ہدایت کا جو درس ہے، حاملین قرآن کے لیے بھی اسی طرح مفید ہے جس طرح امت ابراہیمی کے لیے مفید تھا۔

۵۲ ھٰذا کے مشار الیہ کے بارے میں تین قول ہیں۔ (۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ پیغمبر اسلام بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہیں۔ (۲) قرآن کریم یعنی یہ قرآن بھی پہلی آسمانی کتابوں کی طرح ڈرانے والا ہے۔ ۳، یہ واقعات جو تمہیں سنائے گئے ہیں گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات ہیں

۵۳ علامہ جوہری صحاح میں ازف کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَزِفَ الترحل یأزف اَزَفًا: دنا وأفد۔ کوچ کے وقت کا قریب ہونا۔ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت لحہ بہ لحہ قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ تمہاری موت کی گھڑی بھی نزدیک آتی جا رہی ہے اور تمہیں معلوم بھی نہیں کہ کس لمحے تمہاری زندگی کا چراغ بجھ جائے گا، اس لیے لیت ولعل میں قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔ ابھی جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ مہلت کی گھڑیاں اچانک ختم ہو جائیں اور پھر تمہیں کف افسوس ملنا پڑے۔

لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

روتے نہیں ہو ۵۶ اور تم نے کھیل مذاق بنا رکھا ہے ۵۷ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو ۵۸

۵۴ کشف کا معنی ظاہر کرنا۔ کسی چھپی ہوئی چیز سے پردہ ہٹا دینا۔ یعنی قیامت کو ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب وہ چاہے گا اس کو آشکارا کر دے گا اور برپا ہو جائے گی۔ علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں ای لیس لھا من دون اللہ من یؤخرھا او یقدمھا: یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی مؤخر کر سکتا ہے اور نہ مقدم کر سکتا ہے۔

۵۵ یہاں تعجب سے مراد وہ تعجب ہے جو کسی چیز کو ناقابلِ تسلیم خیال کرتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ کفار کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ میرا رسول ایسی کتاب لے کر تمہارے پاس تشریف لایا ہے جس کی ہر آیت سے ہدایت کے انوار پھوٹ رہے ہیں تمہیں تو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس پر ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ اُلٹے تم اس کی ہدایات پر اظہارِ حیرت و تعجب کر رہے ہو۔ گویا یہ کوئی ایسی باتیں ہیں جو تمہارے لیے تسلیم کرنے کے قابل ہی نہیں۔

۵۶ تمہیں تو چاہیے تھا کہ گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات پڑھ کر تم خوفِ الٰہی سے رو پڑتے اور اپنی گزشتہ لغزشوں پر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے۔ اُلٹا تم بے حیاؤں کی طرح ہنس رہے ہو۔

۵۷ علامہ راغب سمد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ السامد اللاھی الرافع رأسہ: جو شخص غفلت و بے پروائی سے سر اٹھا کر چلا جا رہا ہو اسے سامد کہتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کے کئی اور معانی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی لاھون معرضون کیا ہے یعنی غفلت سے منہ موڑنے والے۔ عکرمہ نے آپ سے یہ معنی بھی نقل کیا ہے وھو الغناء بلغۃ حمیر۔ گانے بجانے کو سمود کہتے ہیں۔ حضور جب انہیں قرآن کریم پڑھ کر سناتے تو وہ گانے بجانے میں مشغول ہو جاتے تاکہ یہ پاک کلام انہیں سنائی نہ دے مبادا اس کی تاثیر سے وہ اپنے باطل عقائد کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

قال الضحاک سامدون شامخون متکبرون۔ وفی الصحاح سمد سمودا رفع رأسہ تکبرا۔

۵۸ یہ سورۃ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حرم کعبہ میں مشرکین کے مجمع عام میں پڑھ کر سنائی۔ سارے حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت پڑھی تو سجدے میں گر گئے۔ سامعین جن میں کفار اور مشرکین کی بھی بہت بڑی تعداد تھی سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے۔ امیہ بن خلف بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے نیچے سے مٹی اٹھائی اسے ہتھیلی پر رکھا اور اسی پر ماتھا رکھ دیا۔ کہنے لگا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

کفار کی خرمستیوں اور غفلت شعاریوں کو بیان کرنے کے بعد اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ تم عجز و نیاز سے اپنے پروردگار کی جناب میں سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تمام باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جو عبادت کے لائق ہے۔ یہی معراجِ انسانیت ہے ——— یہی وہ سب سے اونچی چوٹی ہے جس پر رسائی حاصل کرنے سے انسان اپنی منزلِ مراد پر پہنچ جاتا ہے۔

یہ آیت سجدہ ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس آیت کی تلاوت کرنے والے اور اسے سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہاں سجدہ واجب نہیں۔ اگر اپنی مرضی سے کوئی کرلے تو ٹھیک ہے۔ امام مالک جب یہ آیت تلاوت کرتے تو خود سجدہ کیا کرتے۔

احناف کے پاس اس سجدے کے وجوب کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہی روایت جو ابھی مذکور ہوئی کہ حرم شریف میں حضور نے اس سورۃ کی تلاوت فرمائی اور خود بھی سجدہ کیا اور سامعین بھی سجدہ ریز ہوگئے۔

اس کے علاوہ موطا میں امام مالک نے حضرت عمر کا یہ فعل نقل کیا ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورہ النجم پڑھی پھر سجدۂ تلاوت کیا۔ پھر اٹھے اور سورۂ زلزال پڑھی، پھر رکوع کیا۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رحمۃ للعلمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

قد فرغت من تسوید ھذہ السطور بعد الساعۃ الثامنۃ صباح یوم الجمعۃ المبارک۔

وانا سجین فی سجن مدیریۃ سرگودھا۔ ۶ مایو سنۃ ۱۹۷۷م

وذنبی انی احب من اعماق قلبی ان تکون کلمۃ اللہ ھی العلیا وکلمۃ الذین کفروا السفلی۔

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔